عالمی مالیاتی نظام کے ذریعے پوری دنیا کو اپنے شکنجے میں
جکڑ لینے کی یہودی سازشوں کی ہوش ربا داستان

قرضوں کی جنگ

(The Money Masters نامی ویڈیو فلم سے ماخوذ
انگریزی زبان میں شائع ہونے والی کتاب کا اردو ترجمہ)

ترجمہ: کرنل (ر) ڈاکٹر محمد ایوب خان

ترتیب وتسوید: سردار اعوان

مکتبہ خدام القرآن لاھور

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون:03-5869501

نام کتاب: قرضوں کی جنگ

تاریخ اشاعت: جنوری 2006ء (طبع سوم) — تعداد اشاعت: 1100

ناشر مکتبہ خدام القرآن لاہور — فون: 03-5869501

مطبع: شرکت پرنٹنگ پریس' لاہور — قیمت: 18

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

قرضوں کی یہ جنگ جس کی نقاب کشائی زیرِنظر کتاب میں کی گئی ہے' اگرچہ یورپ اور امریکہ میں شروع ہوئی تھی مگر اس وقت پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ عالمی مالیاتی اداروں کا طریقِ واردات یہ ہے کہ کسی پسماندہ یا ترقی پذیر ملک کو قرضوں کی پیشکش کرتے وقت اسے یہ فریب دیا جاتا ہے کہ قرضہ دینے والا ادارہ اس ملک کا دشمن نہیں' بلکہ دوست ہے اور اسے ایک خوش حال اور مضبوط ملک دیکھنا چاہتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ جب وہ ملک قرضوں کے جال میں پوری طرح پھنس جاتا ہے تو اس کے تمام وسائل اپنے قبضہ میں کر لیے جاتے ہیں۔ اگر کوئی ملک اس جال سے نکل بھاگنے کی کوشش کرے تو اس ملک کے سربراہ کو قتل کروا دیا جاتا ہے' اس ملک میں خانہ جنگی کرائی جاتی ہے یا اسے دوسرے کسی ملک کے ساتھ جنگ میں الجھا دیا جاتا ہے' وغیرہ۔ بظاہر یہ بات ناقابل یقین سی نظر آتی ہے' مگر اس کی غالباً بڑی وجہ یہ ہے کہ پیسے کی جو طاقت ہے اس کا ہمیں احساس نہیں ہے۔ اور ہماری نگاہ چونکہ ظاہری واقعات تک محدود ہوتی ہے اس لیے ہم اصل حقائق کے بارے میں لاعلم رہتے ہیں۔ گویا یہ باقاعدہ ایک جنگ ہے جو عالمی مالیاتی استعمار کے قیام کے لیے لڑی جا رہی ہے اور اب فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ چنانچہ افریقہ اور ایشیا کے بیشتر ممالک اس جنگ میں زندگی کی بازی ہارتے نظر آتے ہیں۔

امریکی تناظر میں ''The Money Masters'' (دولت کے مالک) کے عنوان سے اس جنگ کی ساڑھے تین گھنٹے کی ایک وڈیو تیار ہوئی ہے۔ اسے دو امریکی دانشوروں Patrick SJ Carmack اور Bill Still نے مل کر تیار کیا ہے۔ کارمک' کارپوریٹ لاء میں وکالت کرتے رہے ہیں اور اوکلاہاما سٹیٹ کے کارپوریشن کمیشن کے سابق لاء جج اور یو۔ ایس سپریم کورٹ بار کے ممبر رہ چکے ہیں۔

اس وڈیو کا انگریزی مسودہ لیفٹیننٹ کرنل (ر) ڈاکٹر محمد ایوب خان نے اردو میں ترجمہ کر کے ''سونے کے مالک'' کے نام سے شائع کیا ہے' جسے ہم نے ان کے شکریہ کے ساتھ معمولی تبدیلی اور اضافہ کے بعد ندائے خلافت جلد 8 شمارہ 47 تا جلد 9 شمارہ 19 میں بھی شائع کیا اور اب کتابچے کی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔ اس کی افادیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس مضمون کے اقتباسات پاکستان کے ایک معروف جریدہ ''اردو ڈائجسٹ'' (اپریل' مئی ۲۰۰۰ء) میں بحوالہ ندائے خلافت شائع کیے گئے ہیں۔ موجودہ استحصالی اور ہلاکت خیز مالیاتی نظام کو جاننے کے لیے اس کتابچہ کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں۔

ناظم نشر و اشاعت

۸ جولائی ۲۰۰۰ء

مسئلہ کیا ہے؟

امریکہ میں ایک وقت ایسا تھا کہ جب کسی سے پوچھا جاتا کہ وہ کس کے لیے کام کرتا ہے تو وہ اسے بے عزتی سمجھتا تھا' کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنا ذاتی کام کرنے کا اہل نہیں' جبکہ اب حالت یہ ہے کہ دوسروں پر انحصار اور ان کی مرضی کے مطابق معمولی اجرت پر کام کرنا عام سی بات ہے۔ چونکہ آزادی کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ آدمی کے پاس خوراک' کتابیں اور کپڑے وغیرہ ہوں اور ان کے لیے درکار روپیہ پیسہ بھی ہو' اس لیے ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ اب ایک عام امریکن کا دارومدار دوسروں پر ہے اور اس کی آزادی محدود ہوگئی۔

اس صدی کے آغاز سے افراد اور ریاستیں مسلسل قرضوں کی زد میں ہیں۔ نتیجتاً ان کی اپنے معاملات خود طے کرنے کی آزادی ختم ہوگئی ہے۔ آزادی کے حصول اور اسے باقی رکھنے کے لیے دولت کی اوسط مقدار کا عام پھیلاؤ ضروری ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کیوں سر سے پاؤں تک قرضوں میں ڈوبے ہوئے ہیں' اور کیوں ہمارے سیاستدان قرضوں کو قابو میں نہیں لاتے؟ کیوں سب لوگ' ماں باپ دونوں' معمولی تنخواہ پر کام کرنے پر مجبور ہیں؟ حکومت کیوں کہتی ہے کہ افراطِ زر کم ہے' جبکہ لوگوں کی قوت خرید خطرناک حد تک کم ہو رہی ہے؟ 25 سال پہلے ڈبل روٹی کی قیمت 1/4 ڈالر تھی اور کار دو ہزار ڈالر میں مل جاتی تھی۔

کیا ہم کسی بہت بڑے اقتصادی دھماکے کی طرف بڑھ رہے ہیں؟ جس کے سامنے 1929ء کا دھماکہ اور کساد بازاری سکول کی پکنک معلوم ہوں گے۔ اگر ایسا ہے تو کیا ہم اسے روک سکتے ہیں یا کیا ہم افراطِ زر کی پیدا کردہ اس غریبی کو پہنچ کر رہیں گے جس سے بچتوں' تنخواہوں اور مزدوریوں کا خاتمہ ہو جائے گا؟ مگر پھر ہم اپنے خاندان کو کیسے بچا سکیں گے؟

ایک بینک پریذیڈنٹ لیری بیٹس (Lary Bates) لکھتا ہے:

''ایک بے مثال دھماکہ آنے والا ہے۔ اکثر لوگ اپنا روپیہ ہار بیٹھیں گے' مگر اس سے بھی اہم بات یہ ہوگی کہ چند لوگ بہت بڑی دولت کے مالک بن جائیں گے۔ اقتصادی انقلاب میں دولت ختم نہیں ہوتی' منتقل ہو جاتی ہے۔''

بینکر چارلس کالنز (Charles Colens) کہتا ہے:

''فیڈرل ریزرو (Reserve) قرضوں کو بڑھا رہا ہے' وہ قرضوں کا سود ادا کرنے کے لیے بھی قرضہ دیتا ہے۔ اس لیے ہم قرضوں سے کبھی باہر نہیں نکل سکتے۔''

ماہر معاشیات ہنری پاسکٹ (Henry Pasquet) کہتا ہے:

''قرضوں میں آپ روزانہ دس ارب ڈالر کا اضافہ کر رہے ہیں۔ 1980ء میں قرضہ ایک ٹریلین ڈالر سے کم تھا۔ 15 سال میں وہ پانچ گنا ہو گیا ہے۔ ایسا کب تک ہوگا؟''

دراصل ہمارا نظامِ زر انتہائی خراب ہے۔ سنٹرل بینک (فیڈرل ریزرو) حکومت سے آزاد ادارہ ہے۔ وہ بینکوں سے مل کر روپیہ پیدا کرتا ہے' ساتھ ہی سود پر قرضہ لینے والے لوگ بھی۔ اس لیے ایک شدید ترین کساد بازاری یقینی ہے خواہ وہ اچانک ہو یا بتدریج۔ فیڈرل ریزرو اپنے سٹاک ہولڈروں کو امیر بنانے کے لیے ایسا کر رہا ہے' جیسے اس نے 1930ء کی کساد بازاری سے قبل کیا تھا۔

''فیڈرل ریزرو' نہ تو فیڈرل ہے اور نہ اس کے پاس کوئی ریزرو ہے جس سے اس کے جاری کردہ نوٹوں کی پشت پناہی ہو۔ فیڈرل ریزرو ایکٹ 22 دسمبر 1913ء کو ایک کمیٹی نے صبح 1:30 سے 4:30 بجے کے دوران منظور کیا' جس کے اکثر ممبر سوئے ہوئے تھے۔ کہا گیا کہ 40/20 اعتراض جو سینٹ میں ہوئے تھے' ان کو معمولی بحث کے بعد رفع کر دیا گیا تھا۔ اسی شام 6 بجے جب اکثر ممبر کرسمس کی چھٹی پر چلے گئے' یہ بل کانگریس اور سینٹ نے پاس کر دیا اور صدر ولسن نے دستخط کر دیے۔ اس ایکٹ نے زر کا کنٹرول کانگریس سے لے کر پرائیویٹ بینک کے حوالے کر دیا۔

چنانچہ مصنف انتھونی (Anthony c.Sutton) لکھتا ہے:

''ایسی تیز رفتاری نہ پہلے کبھی دیکھنے میں آئی' نہ بعد میں۔ البتہ نباتاتی حکومتوں میں مہریں اسی تیزی سے لگائی جاتی ہیں۔''

صبح 4:30 بجے پہلے سے تیار ایک رپورٹ پریس کے حوالے کر دی گئی۔ کنساس سے ری پبلک لیڈر سینٹر برسٹو (Bristow) نے کہا کہ ان کی پارٹی کو نہ تو اس میٹنگ کی اطلاع دی گئی' نہ وہ اس میں شامل ہوئے' نہ انہوں نے اسے پڑھا اور نہ دستخط کیے۔

فیڈرل کے حصے داروں میں دو بینکوں کے اکثریتی ووٹ ہیں' منہاٹن بینک اور سٹی بینک۔ لہٰذا کنٹرول ان کے پاس ہے۔

سوال یہ ہے کہ کانگریس طاقت کے اس خطرناک ارتکاز کو روکتی کیوں نہیں؟ دراصل اکثر ممبران ان معاملات کو سمجھتے نہیں اور چند جو سمجھتے ہیں وہ ڈرتے ہیں کہ اگر وہ بولیں گے تو اگلے انتخابات میں اُن کے مخالف کو روپیہ مل جائے گا۔ اس کے باوجود چند آدمیوں نے ضرور آواز اٹھائی ہے' مثلاً 1923ء میں ایک ری پبلکن راہنما لنڈ برگ (A.Lindberg) نے کہا:

''فیڈرل ریزرو بورڈ کو نفع اندوزوں کا ایک گروہ کنٹرول کرتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ دوسروں کے روپے سے نفع کمائے۔''

1932ء میں جب کساد بازاری چھائی تھی' ایک بینکر لوئس (Louis T. Mcfadden) نے کہا:

''اس ملک میں ایک انتہائی بدعنوان ادارہ یعنی فیڈرل ریزرو بورڈ قائم ہے' جس نے امریکی عوام کو کنگال اور گورنمنٹ کو دیوالیہ کر دیا ہے۔ یہ سب پیسے والی گِدھوں نے کیا ہے جو اسے کنٹرول کرتی ہیں۔''

سینٹر بیری (Barry Goldwater) نے کہا:

''عام شہری انٹرنیشنل بینکرز کے کام کو نہیں سمجھ سکتے۔ فیڈرل ریزرو سسٹم کے حسابات کا کبھی آڈٹ نہیں ہوا' وہ حکومت کے کنٹرول سے باہر ہے' اس کے باوجود حکومت کے سارے پیسے کا جوڑ توڑ کرتا ہے۔''

لیری بیٹس (Larry Bates) لکھتا ہے:

''فیڈ (Fed) حکومت سے زیادہ طاقتور ہے۔ وہ صدر' کانگریس اور عدالتوں سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس لیے کہ فیڈ جو عام آدمی کی کار اور مکان کی ادائیگی کا حساب کرتا ہے اور دیکھتا رہتا ہے کہ وہ آدمی کوئی کام بھی کر رہا ہے یا نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ مکمل کنٹرول ہے۔ فیڈ امریکی حکومت کا سب سے بڑا اور اکیلا قرض خواہ ہے اور وہ ضرب المثل ہے کہ مقروض قرض خواہ کا خادم ہوتا ہے۔''

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جس دن سے یہ آئین پاس ہوا ہے آج تک پرائیویٹ بینک جنہیں صدر میڈیسن (Madison) نے منی چینجرز کا نام دیا' امریکن روپے پر کنٹرول حاصل کرنے کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ روپے پر کنٹرول کی اہمیت کیا ہے؟ ایک ایسی جنس (commodity) جس کی ہر ایک کو ضرورت ہو اور جو کسی کے پاس کافی نہ ہو تو اس کو کنٹرول کرنے والا اس سے کئی طرح کے فائدے اٹھا سکتا ہے اور سیاسی رسوخ پیدا کر سکتا ہے۔ بس اسی بات کے لیے لڑائی ہے۔ امریکن تاریخ میں یہ اختیار حکومت اور پرائیویٹ سنٹرل بینکوں کے درمیان بدلتا رہتا ہے۔ لوگوں نے چار پرائیویٹ بینکوں کو شکست دی لیکن پانچویں سے ہار گئے' کیونکہ اس وقت سول وار ہو رہی تھی۔

بانیانِ قوم کو پرائیویٹ بینکوں کی برائی کا علم تھا' کیونکہ انہوں نے بینک آف انگلینڈ (جو پرائیویٹ کنٹرول میں تھا) کے قرضوں کو بڑھتے دیکھا تھا' جن قرضوں کی وجہ سے پارلیمنٹ نے امریکی کالونیوں پر ناجائز ٹیکس لگا دیے تھے۔ بن فرینکلن (Ben Franklin) کا کہنا تھا کہ امریکن انقلاب کی اصلی وجہ یہی ناجائز ٹیکس تھے۔ ان کے خیال میں بینکوں کے ہاتھ میں روپے اور طاقت کا آ جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

جیفرسن (Jefferson) نے کہا:

''بینک آزادی کے لیے فوجوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ انہوں نے پہلے ہی ایک زرگر اشرافیہ پیدا کر دی ہے جس کو حکومت کے مقابلے میں کھڑا کر دیا ہے۔''

روپیہ جاری کرنے کی طاقت حکومت کے پاس ہونی چاہیے۔''

آئین کا بڑا مصنف میڈیسن کہتا ہے:

''تاریخ کا فیصلہ ہے کہ منی چینجرز ہر قسم کی برائی، سازش، دھوکا اور متشدد طریقہ استعمال کرتے ہیں، تاکہ روپے اور اس کے اجراء پر کنٹرول رکھ کر حکومتوں کو کنٹرول کرسکیں۔''

اس کنٹرول کے لیے جنگیں ہوئیں، کساد بازاری ہوئی لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد پریس اور تاریخ کی کتابوں میں اس مقابلے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

میڈیا کنٹرول

پہلی جنگ عظیم تک منی چینجرز نے پریس کے اکثر حصے پر کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔ 1914ء کی جنگ سے پہلے ایک نامور ایڈیٹر جان سوئنٹن (John Swinto) نے صحافیوں کے سالانہ ڈنر کے موقع پر کہا:

''امریکہ میں انڈی پینڈینٹ پریس نام کی کوئی چیز نہیں۔ ہم میں سے کوئی اپنی دیانت دارانہ رائے کا اظہار نہیں کرسکتا۔ اگر کرے گا تو وہ شائع نہیں ہوگی۔ مجھے ہر ہفتے 150 ڈالر اسی لیے ملتے ہیں کہ میں اپنے اخبار میں اپنی دیانت دارانہ رائے کا اظہار نہ کروں۔ آپ سب کا یہی حال ہے۔ اگر میں اپنے پرچے میں اس کی اجازت دے دوں تو 24 گھنٹوں سے پہلے میری جاب ختم ہو جائے گی۔ ایسا بے وقوف آدمی بہت جلد سڑکوں پر نیا کام تلاش کرتا ہوا نظر آئے گا۔ نیویارک کے جرنلسٹ کا فرض ہے کہ جھوٹ بولے، خبروں کو مسخ کرے، بدزبانی کرے، قارونوں کی چاپلوسی کرے اور اپنی قوم اور ملک کو روٹی کی خاطر بیچ دے اور غلام بن کر رہے۔ ہم پس پردہ رہنے والے امراء کے غلام ہیں، ہم کٹھ پتلیاں ہیں، وہ تار کھینچتے ہیں اور ہم ناچتے ہیں۔ ہمارا وقت، ہمارا ہنر، ہماری زندگی اور ہماری اہلیت ان لوگوں کی پراپرٹی ہے، ہم ذہنی طوائفیں ہیں''۔

یہ حالت 1914ء سے پہلے کی تھی اور اب سارا میڈیا (ریڈیو، ٹی وی) ان کا ہے۔ ایک بڑے صنعت کار جے، پی مارگن (J.P.Morgan) نے مارچ 1915ء میں اخبارات کے 12 چوٹی کے اشخاص جمع کیے اور انہیں بڑے بڑے اخبارات کی پالیسی کنٹرول کرنے پر مقرر کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ صرف 25 بڑے اخباروں کو کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ان کی پالیسی ماہانہ ادائیگی پر خریدی گئی اور کنٹرول کے لیے ہر اخبار پر ایک ایڈیٹر مقرر کر دیا گیا۔

امریکہ کے صرف پچاس شہروں میں ایک سے زیادہ روزنامے نکلتے ہیں۔ 25 فیصد آزاد ہیں، باقی سب سٹاک ہولڈرز (بینکوں کے حصہ داروں) کے قبضے میں ہیں۔

بہرحال امریکہ کی تاریخ میں روپے پر کنٹرول کی جنگ ہمیشہ جاری رہی۔ 1694ء سے لے کر اب تک آٹھ جنگیں ہوئی ہیں، کبھی حکومت کی جیت ہوئی اور کبھی بینکوں کی، لیکن تین نسلوں سے اب اس پر کسی کی توجہ ہی نہیں رہی۔ ہمارے لیڈروں اور سیاست دانوں کو جاننا چاہیے (اگر وہ خود بھی اس کا حصہ نہیں ہیں) کہ کیا ہو رہا ہے اور اس کا حل کیا ہے؟ حکومت کو خود قرضہ کے بغیر روپیہ جاری کرنے کا اختیار حاصل کرنا چاہیے۔ قرضے سے پاک روپیہ جاری کرنے کی پالیسی کوئی نئی بات نہیں ہے، زیادہ تر سیاست دانوں اور ماہرینِ معاشیات نے یہی حل تجویز کیا ہے۔

مختصر بات یہ ہے کہ 1913ء میں کانگریس نے ایک پرائیویٹ سنٹرل بینک کو (جس کا نام دھوکا دہی کے لیے فیڈرل ریزرو سسٹم رکھا گیا) روپے کی مقدار متعین کرنے کا اختیار دیا، مگر وہ روپے کی مقدار کے برابر قرضہ بھی جاری کر دیتا ہے۔

منی چینجرز

میڈیسن کہتا ہے کہ بائبل بتاتی ہے کہ دو ہزار سال پہلے یسوع مسیح نے دو بار معبد سے زبردستی منی چینجرز کو نکالا۔ ان دو مواقع کے سوا یسوع نے کبھی طاقت استعمال نہیں کی۔ یہ لوگ وہاں کیا کرتے تھے؟ جب ایک یہودی یروشلم میں معبد کا ٹیکس دینے آتا تو وہ ایک خاص سکہ، شیکل (Shekel) کے نصف کے ذریعے ہی ٹیکس دے سکتا تھا، جو 1/2 اونس خالص چاندی کے برابر تھا۔ صرف یہ سکہ خالص چاندی اور پورے وزن کا

تھا اور اس پر کافر بادشاہ کی تصویر بھی نہیں تھی۔ اس لیے خدا کو صرف یہی قبول تھا۔ یہ سکے زیادہ عام نہ تھے' منی چینجرز وہ سکے جمع کر لیتے اور پھر ان کی قیمت بڑھا دیتے۔ اس طرح منی چینجرز مفت میں نفع کماتے۔ وہ سکہ صرف ان کے پاس تھا' خریدار مجبور تھے۔

رومن ایمپائر

یسوع مسیح سے دو سو سال قبل روم میں بھی منی چینجرز یہی کاروبار کرتے تھے۔ شروع کے دو رومی بادشاہوں نے سودی قوانین کی اصلاح اور ملکیت زمین کو 500 ایکڑ تک محدود کر کے ان کی طاقت کم کرنے کی کوشش کی تو دونوں بادشاہ قتل ہوئے۔ سن 48 قبل مسیح' جولیس سیزر نے روپیہ بنانے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ روپیہ عام ہونے سے فارغ البالی ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ سیزر کو اسی بات نے قتل کروایا' اس کے مرنے پر روپیہ غائب ہو گیا اور ٹیکس اور بدعنوانی بڑھ گئی' لوگوں کی زمینیں اور گھر نیلام ہو گئے' مفلس لوگوں نے حکومت کی حمایت سے ہاتھ اٹھا لیا اور عوام پر تاریکی چھا گئی۔ امریکہ میں ایسا ہو چکا ہے اور پھر ہو گا۔

زمانۂ وسطیٰ کے انگلینڈ کے سنار

کاغذی روپیہ سب سے پہلے 618 تا 907ء تک چینیوں نے بنایا۔ جب اس میں دھوکا ہونے لگا تو 1024ء میں بادشاہ نے کاغذی نوٹ بنانے کا اختیار خود لے لیا۔ اس زمانے میں انگلینڈ میں منی چینجرز خوب متحرک تھے' اس قدر کہ انگلینڈ کی اکانومی کو متاثر کرتے تھے۔ یہ بینکرز نہیں تھے سنار تھے' مگر بینکرز بھی تھے' کیونکہ لوگوں کا سونا اپنے سیف میں رکھ لیتے تھے اور ان کی رسید پیپر منی کا کام کرتی تھی۔ وہ رسید چیتھڑوں پر لکھی جاتی تھی اور پھر راگنی یوں بنی:

''چیتھڑے کاغذ بناتے ہیں' کاغذ روپیہ بناتے ہیں' روپیہ بینک بناتے ہیں' بینک قرضے بناتے ہیں' قرضے بھکاری بناتے ہیں' بھکاری چیتھڑے بناتے ہیں''۔

یہ رسیدیں اس لیے استعمال ہونے لگیں' کیونکہ سونا چاندی اٹھانا دشوار اور خطرناک تھا۔ لہٰذا سنار کے پاس بار بار جانے کی بجائے لوگوں نے انہیں آپس میں بدلنا شروع کر دیا۔ پھر سناروں نے دیکھا کہ بہت کم لوگ اپنا سونا واپس لینے آتے ہیں تو انہوں نے کچھ سونا دوسروں کو سود پر دینا شروع کر دیا۔

پھر انہوں نے معلوم کیا کہ وہ سونے کی مالیت سے زیادہ کی کاغذی رسیدیں چھاپ سکتے ہیں' اور ان رسیدوں سے ہی انہوں نے سودی نفع کمانا شروع کر دیا۔ یہ جزوی مالیت کی بینکنگ (Fractional Reserves Banking) کی بنیاد ہے' یعنی مالیت سے زیادہ روپیہ جاری کر دیا جائے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے اصل مالیت سے دس گنا زیادہ رسیدیں جاری کرنی شروع کر دیں اور دس گنا سود وصول کرنے لگے۔ کسی کو اس دھوکے کا علم نہ ہوا۔ اس طرح ان کے پاس زیادہ سے زیادہ روپیہ اور سونا جمع ہونا شروع ہو گیا۔

یہ سراسر دھوکا تھا مگر آگے چل کر یہی دھوکا جدید ڈیپازٹ بینکنگ کی بنیاد بن گیا۔ روپیہ پیدا کرنا صرف حکومتوں کا حق ہے۔ پرائیویٹ بینکوں کو اس کی اجازت دینا لوگوں سے دھوکا اور ظلم ہے۔

بینک اپنے روپے سے کہیں زیادہ قرضے دیتے ہیں۔ اگر سب لوگ ایک وقت میں ان سے روپیہ لینے آ جائیں تو وہ 3 فیصد رقم بھی نہیں دے سکتے۔ اس لیے وہ مستقل خوف کی حالت میں رہتے ہیں۔ بینکوں' سٹاک مارکیٹوں اور قومی معاشیات کی ڈانوا ڈول حالت اسی وجہ سے رہتی ہے۔

امریکہ میں بینکوں کو اپنے روپے سے دس گنا زیادہ قرض دینے کی اجازت ہے' اس طرح ان کا 8 فیصد سود 80 فیصد ہو جاتا ہے۔ ہر بینک عملی طور پر ایک ٹکسال ہے جس پر کچھ خرچ نہیں آتا۔ اب جب سونا نہیں ہے تو بینک کاغذ اور سیاہی کی قیمت پر قرضہ دے کر سود کما رہے ہیں۔

امریکی بینکوں کے ریزرو (reserve) اور کرنسی کل قریباً 600 بلین ڈالر بنتے ہیں' مگر ان کے بدلے میں 20 ٹریلین قرض جاری کیا گیا ہے گویا ہر امریکی بچہ

اور بوڑھا 80,000 ڈالر کا مقروض ہے۔

فیڈرل ریزرو صرف تین فیصد پیدا کرتا ہے۔ باقی 27 فیصد بینک پیدا کرتے ہیں، جبکہ یہ سب حکومت کو خود کرنے چاہئیں، اس طرح ٹیکس بھی کم ہو سکتے ہیں۔

اخلاقی پہلو

زمانۂ وسطیٰ میں کیتھولک چرچ نے سود لینا ممنوع قرار دے رکھا تھا۔ چرچ کی تعلیم یہ تھی کہ روپیہ معاشرے کی خدمت کے لیے ہے، تا کہ اشیاء کے تبادلہ میں آسانی ہو۔ البتہ پیداواری مقاصد کے لیے قرض پر نفع کا ایک حصہ لینا جائز تھا، لیکن بعد میں جب تجارت کو ترقی ہوئی اور سرمایہ کی ضرورت پیش آئی تو نفع ونقصان کی بنیاد پر سرمایہ کاری کو مزید فروغ حاصل ہوا۔

تمام مذاہب دھوکا دہی، غریبوں پر جبر اور ناانصافی کی مذمت کرتے ہیں۔ چونکہ جزوی محفوظ سرمایہ پر قرض دہی (Fractional Reserve Lending) کی بنیاد ہی دھوکا ہے اس لیے اس سے مفلسی پیدا ہوتی ہے اور غریب پر جبر اور روپے کی قدر کم ہوتی ہے۔

بدقسمتی سے بعض مذاہب کے چند ایک مکاتب ایسے بھی ہیں جو اپنے لوگوں سے دھوکہ اور ناانصافی کی مذمت کرتے ہیں، لیکن دوسروں سے دھوکا، جبر اور ناانصافی جائز سمجھتے ہیں۔ وہ دوسروں کو کمتر بلکہ نیم انسان سمجھتے ہیں۔ اس کا سبب ایک برترنسل کا نظریہ ہے جو مادہ پرستی کی ایک بھونڈی شکل ہے (اشارہ یہود کی طرف ہے اور وہی بڑے بینکوں کے مالک ہیں۔ مترجم)

لوگ بھول جاتے ہیں کہ نوعِ انسانی ایک عظیم واحد انسانی نسل ہے جس کا آغاز مشترک ہے، انجام بھی مشترک ہے اور فطرت بھی ایک ہے۔ یہاں کوئی برتری نسل نہیں ہے اور اگر کوئی برترنسل ہے تو اسے نیکی میں برتر سے ناپا جائے گا نہ کہ مکاری اور دھوکے سے۔ لوگوں میں اختلافات کا کام تو یہ ہونا چاہیے کہ ایک دوسرے کے علم و ہنر سے فائدہ حاصل کیا جائے۔

ہاں تو سناروں نے معلوم کیا کہ روپے کی مقدار میں کمی بیشی کر کے وہ زیادہ نفع کما سکتے ہیں۔ جب روپیہ زیادہ ہو تو بہت سے لوگ قرض لے لیتے ہیں اور سود حاصل ہوتا ہے۔ روپیہ کم ہو تو قرضہ ملنا مشکل ہوتا ہے۔ کچھ لوگ قرض ادا نہیں کر سکتے اور کچھ قرض نہیں لے سکتے۔ اس لیے وہ کنگال ہو جاتے ہیں اور اپنی جائیداد اور بزنس سناروں کے حوالے کر دیتے ہیں یا کوڑیوں کے بھاؤ فروخت کر دیتے ہیں۔ آج کل اس بات کو بزنس سائیکل (تجارتی اتار چڑھاؤ) کہا جاتا ہے۔

نشان زدہ چھڑیاں (Tally Sticks)

1100ء میں شاہِ انگلستان ہنری اوّل نے سناروں سے مالی طاقت اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے چھڑیوں کا طریقہ ایجاد کیا۔ ایک چھڑی پر نشان لگائے جاتے، پھر اسے لمبائی میں چیر دیا جاتا۔ آدھی پبلک میں پیسے کے طور پر گردش میں رہتی اور آدھی بادشاہ کے پاس رہتی تا کہ دھوکا نہ ہو۔ (یہ طریقہ 1826ء تک کامیابی سے چلتا رہا۔) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں نے پیسے کے طور پر لکڑی کی چھڑیاں کیسے قبول کر لیں، حالانکہ ہمیشہ کوئی قیمتی شے ہی پیسے کی جگہ لیتی رہی ہے؟ بات یہ ہے کہ لوگ جس شے کو پیسہ مان لیں وہی پیسہ بن جاتی ہے، آج کاغذ کا نوٹ کیا ہے، کاغذ نہیں؟ 1500ء میں ہنری ہشتم نے سودی قوانین کو نرم کر دیا اور سناروں نے فوراً وافر مقدار میں سونا چاندی مارکیٹ میں ڈال دیا، لیکن جب ملکہ میری تخت پر بیٹھی تو اس نے دوبارہ سودی قوانین کو سخت کر دیا اور سناروں نے سونا چاندی روک لیا اور اکانومی کو زوال سے دوچار کر دیا۔

پھر الزبتھ اوّل ملکہ بنی تو اس نے خزانے سے سونے چاندی کے سکوں کے اجراء کی تجویز پر عمل کرنا چاہا۔ اگرچہ 1642ء کے انقلابِ انگلستان کی وجوہات مذہبی بھی ہیں، مگر اس تجویز نے اصل کردار ادا کیا۔ کرامویل نے 1649ء میں سناروں سے روپیہ لے کر بادشاہ چارلس کو پھانسی پر چڑھا دیا اور پارلیمنٹ سے بہت سوں کو نکال دیا اور سناروں کو کاروبار پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دی، جنہوں نے اگلے پچاس سال کے لیے انگلستان کو جنگوں میں دھکیل دیا۔ انہوں نے لندن کے سنٹر میں ایک مربع

میل ٹکڑے کو اپنا ''شہر'' (City) بنا لیا۔ یہ نیم آزاد علاقہ وال سٹریٹ (امریکہ) کے ساتھ دنیا کے دو بڑے مالی مراکز میں سے ایک ہے۔ یہاں ان کی اپنی پولیس ہوتی ہے۔

سٹوارٹ بادشاہوں سے جھگڑے کی وجہ سے منی چینجرز ہالینڈ سے ایک شخص ولیم کو لے آئے۔ اس نے 1688ء میں جائز بادشاہ جیمز دوم کو نکال دیا۔ منی چینجرز اور اشرفیہ کے درمیان یہ تعلق انگلستان میں آج بھی قائم ہے۔ بادشاہ کے پاس کوئی طاقت نہیں، اصل طاقت منی چینجرز کے پاس ہے جس میں راتھ شیلڈ کا گھرانہ غالب ہے۔ بادشاہ کو کسی کو معاف کرنے کا اختیار نہیں، وہ کیبنٹ کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی ہے۔ 20 جون 1934ء کو ''نیو برٹن میگزین'' نے لکھا کہ ''برطانیہ انٹرنیشنل فنانشل بلاک کا غلام ہے''۔ اور لارڈ برائس (Bryce) کے یہ الفاظ نقل کیے:

''جمہوریت کا کوئی مستقل اور خفیہ دشمن نہیں سوائے مالی طاقتوں کے۔ بینک آف انگلینڈ کے کردار اور مقاصد پر دارالعوام میں بحث نہیں کی جاسکتی۔''

بینک آف انگلینڈ

16ویں صدی کے آخر تک انگلینڈ معاشی تباہی کے کنارے پہنچ چکا تھا۔ لگ بھگ پچاس سال فرانس کے ساتھ مسلسل جنگوں کے علاوہ نیدرلینڈ کے ساتھ کبھی کبھار کی جنگوں نے نڈھال کر دیا۔ سرکاری افسر منی چینجرز کو ملے اور قرضے کی درخواست کی۔ انہوں نے شرط لگائی کہ انہیں ایک پرائیویٹ بینک کھولنے کی اجازت دی جائے جو اپنے روپے سے دس گنا قرضہ دے سکے۔ یہ منظور کیا گیا۔ نام بینک آف انگلینڈ رکھا تا کہ اسے سرکاری سمجھا جائے۔ 1694ء میں وہ چارٹر ہوا۔ حکومت کو ضرورت کے مطابق قرضہ دینا منظور کیا گیا اور اس کی وصولی کے لیے لوگوں سے براہِ راست ٹیکس لینے کا اختیار بھی لیا گیا۔ یہ قومی کرنسی کی ذاتی فائدے کے لیے قانونی جعلسازی تھی۔ اب یہ بات سب ملکوں میں ہے۔

یہ بینک اس قدر طاقتور ہیں کہ ملکوں کی اکانومی پر ان کا قبضہ ہے۔ حکومتیں سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہیں اور بینک ان کے اوپر غالب ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے فوج کو مافیا کے ہاتھوں میں دے دیا جائے۔ ہمیں ایسی مرکزی اتھارٹی کی ضرورت ہے جس پر حکومت کا اختیار ہو۔ سر ولیم پٹ (Sir. William Pitt) نے 1770ء میں کہا:

''تخت کے پیچھے بادشاہ سے بھی بڑی کوئی طاقت ہے''۔

1844ء میں بنجمن اسرائیلی نے اس کے بارے میں لکھا:

''دنیا کے اصلی حکمران وہ نہیں ہوتے جو نظر آتے ہیں''۔

1933ء میں صدر روز ویلٹ نے ایک دوست کو لکھا:

سچ یہ ہے کہ جیکسن (Jackson) کے زمانے سے حکومت بڑے بڑے مالیاتی مراکز کے پاس ہے''۔

جتنے زیادہ نوٹ گردش میں ہوں گے اتنی ان کی قیمت کم ہوگی۔ سیاستدانوں کو جتنا وہ چاہیں روپیہ مل جاتا ہے، مگر اس کا خمیازہ عوام کو بھگتنا پڑتا ہے۔ زیادہ خرچ سے افراطِ زر اور مہنگائی پیدا ہوتی ہے، گو اس کا اثر بہت بعد میں سامنے آتا ہے۔ بینک آف انگلینڈ کے قیام کے بعد قیمتیں دوگنا ہو گئیں۔ بے ہودہ سکیموں کے لیے قرضے دیے گئے۔ ایک نے تجویز کی کہ بحیرۂ احمر کا پانی نکالا جائے، تاکہ وہ سونا ہاتھ آئے جو فرعون کے لشکر کے ڈوبتے وقت سمندر میں غرق ہو گیا تھا۔ بینک کے قیام کے صرف چار سال بعد قرضہ جو پہلے 1.25 ملین تھا، 16 ملین ہو گیا، چنانچہ ٹیکس بڑھا دیے گئے۔

راتھ شیلڈ کا عروج:

1743ء میں فرینکفرٹ (جرمنی) میں ایک سنار امشل موزز بائر (Amschel Moses Bauer) نے ایک سکوں کی دُکان کھولی جس کے دروازے کے اوپر سرخ رنگ کی پلیٹ پر رومن ایگل کا نشان بنا تھا، جس کی وجہ سے دکان کا نام ریڈ شیلڈ یا راتھ شیلڈ (Roths Child) پڑ گیا۔

اس کے بیٹے میئر راتھ شیلڈ نے کاروبار سنبھالا تو سوچا عام لوگوں کی نسبت

حکومتوں کو قرضہ دینا زیادہ مفید ہے۔ قرضہ کی مقدار بھی بڑی ہوتی ہے اور اس کی واپسی بھی محفوظ ہوتی ہے۔ میئر کے پانچ بیٹے تھے۔ اس نے انہیں تربیت دی اور یورپ کے بڑے دارالخلافوں ویانا' لندن' نیپلز' پیرس اور فرینکفرٹ میں بزنس میں ڈال دیا۔ 1785ء میں میئر ایک بڑے مکان میں منتقل ہوگیا اور شف (Sehiffs) خاندان کے ساتھ مل کر کام شروع کر دیا اور مکان کے باہر گرین شیلڈ کا بورڈ لگا دیا۔ شف کا پوتا نیویارک منتقل ہوگیا اور اس نے 1917ء میں روس میں بالشویک انقلاب میں مالی مدد دی۔ میئر کے بیٹے ناتھن راتھ شیلڈ نے انگلینڈ میں اتنا روپیہ بنایا کہ 17 سال میں وہ 2500 گنا ہوگیا۔ اس کے باپ نے اسے 20 ہزار پونڈ دیے تھے۔

وہ پانچ ملکوں میں تھے اس لیے ہر طرح آزاد تھے۔ انہیں کسی ایک جگہ تکلیف ہوتی تو دوسری جگہ ان کے سرمائے کی بڑھوتری کے لیے سازگار رہتی۔ نتیجتاً یورپ کے تمام شرفاء ان کے مقروض ہوگئے۔

انہوں نے صنعت کاروں کو بے تحاشا روپیہ دیا' تا کہ ان کی اجارہ داری قائم ہو اور وہ آسانی سے روپیہ واپس کرنے کے قابل ہوں۔ سٹی بینک نے راک فیلر کو مدد دی تا کہ تیل میں اجارہ داری قائم کرے۔ جیمز راتھ شیلڈ نے پیرس میں دو لاکھ ڈالر سے 40 کروڑ ڈالر بنائے۔ ایک شاعر نے کہا:

''روپیہ اس زمانے کا خدا ہے اور راتھ شیلڈ اس کا نبی ہے''۔

ایک مبصر نے کہا کہ ''یورپ میں صرف ایک طاقت ہے اور وہ راتھ شیلڈ ہے''۔

انقلابِ امریکہ

1750ء تک برطانیہ چار بڑی لڑائیاں لڑ چکا تھا۔ جنگی ضروریات کے لیے اپنے نوٹ جاری کرنے کی بجائے اُس نے بینک سے بھاری قرضہ لیا تھا' جس کی مقدار 14 کروڑ پاؤنڈ تھی اور سود ادا کرنے کے لیے اس نے امریکی نو آبادیات پر ٹیکس بڑھانا چاہا تھا۔

امریکہ میں بینک آف انگلینڈ کا کوئی اثر نہ تھا۔ مختلف ریاستوں نے ضرورت کے مطابق کاغذی نوٹ جاری کر کے کام نکالنا شروع کر دیا' مگر بینک والے اس بات کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ 1746ء میں پارلیمنٹ نے کرنسی ایکٹ پاس کیا جس کے مطابق امریکی نو آبادیات کو نوٹ چھاپنے سے منع کر دیا اور تمام ٹیکس سونے اور چاندی میں ادا کرنے کا حکم دے دیا۔ امریکہ میں یہ پہلی بینک جنگ تھی جو اعلانِ آزادی سے شروع ہوئی تھی اور 1783ء میں معاہدۂ پیرس سے تکمیل کو پہنچی' جس میں منی چینجرز کو شکست ہوئی۔ چونکہ سونا اور چاندی انگلینڈ نے ٹیکسوں میں لے لیا تھا اس لیے انہیں کاغذی نوٹ جاری کرنے پڑے۔

انقلاب کے شروع میں نو آبادیات میں 12 ملین ڈالر کے نوٹ گردش میں تھے۔ آخر میں 500 ملین ڈالر ہو گئے جس سے افراطِ زر اتنا ہو گیا کہ ایک جوڑا جوتا پانچ ہزار ڈالر میں آتا تھا' مگر یہ اس لیے بھی ہوا کیونکہ برطانیہ سے جعلی نوٹ بھیجے گئے تھے۔

بینک آف نارتھ امریکہ

انقلاب کے بعد براعظمی کانگریس (Continental Congress) روپے کی کمی کی وجہ سے پریشان تھی۔ چنانچہ 1781ء میں اس نے رابرٹ مارس (Robert Morris) کو جس نے انقلاب میں خوب پیسہ بنایا تھا' پرائیویٹ بینک بنانے کی اجازت دے دی' جس نے بینک آف نارتھ امریکہ کے نام سے بینک قائم کیا۔ یہ بینک بھی بینک آف انگلینڈ کی طرز پر بنایا گیا جو حیثیت سے بڑھ کر قرضہ دے سکتا تھا۔ بہت جلد ڈالر کی قدر کم ہونی شروع ہوگئی' لہٰذا چار سال بعد بینک کو بند کر دیا گیا۔

آئینی کنونشن

1787ء میں نو آبادیاتی لیڈر فلاڈلفیا میں جمع ہوئے تا کہ نجی بینکاری کے بارے میں آئین میں ضروری ترامیم کریں۔ اس ضمن میں انہوں نے فیصلہ کیا کہ ریاست

سونے چاندی کے سکے بنائے کاغذی نوٹ نہ بنائے' حالانکہ اصل مسئلہ جزوی محفوظ سرمایہ پر قرض دہی تھا نہ کہ کاغذی نوٹ۔

پہلا بینک آف یو ایس

چونکہ پرائیویٹ بینکوں کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا تھا۔ اس خاموشی کا فائدہ اٹھا کر انہی لوگوں نے جنہوں نے بینک آف نارتھ امریکہ بنایا تھا' 1790ء میں بینک آف یو ایس بنالیا اور 1791ء میں انہیں 20 سال کا چارٹر دے دیا گیا۔ انہی دنوں میئر شیلڈ نے اعلان کیا کہ:

''مجھے کسی ملک کا سکہ جاری کرنے اور اسے کنٹرول کرنے کا اختیار دے دیا جائے' پھر مجھے پرواہ نہیں ہوگی کہ قانون کون بناتا ہے''۔

بینک کو حکومت نے 20 لاکھ ڈالر اپنا حصہ دیا۔ بینک نے وہی رقم حصہ داروں کو قرضہ میں دے کر ان کے حصے شامل کر لیے۔ بینک کو نوٹ چھاپنے اور جزوی محفوظ مالیت کی بنیاد پر قرضے دینے کی اجازت بھی دے دی گئی۔ بینک کا یہ نام اس لیے رکھا گیا تاکہ وہ سرکاری بینک معلوم ہو۔ بینک کا □ یہ تھا کہ افراطِ زر کو ختم کرے' مگر ہوا یہ کہ گورنمنٹ نے بینک سے 80 لاکھ ڈالر قرضہ لے لیا۔

1811ء میں کانگریس میں بینک کو جاری رکھنے کا بل پیش ہوا۔ پریس نے اس پر سخت حملہ کیا' اسے گدھ اور سانپ کہا گیا۔ ناتھن راتھ شیلڈ نے دھمکی دی کہ اگر بل پاس نہ ہوا تو امریکہ کو ایک تباہ کن جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بہرحال بل کو ایک ووٹ کی کمی سے شکست ہوگئی۔ امریکہ اور سنٹرل بینک کے درمیان یہ تیسری جنگ تھی' پانچ ماہ کے اندر انگلینڈ نے امریکہ پر حملہ کر دیا اور 1812ء کی جنگ شروع ہوگئی۔

نپولین کا عروج

1800ء میں پیرس میں بھی بینک آف انگلینڈ کی طرز پر بینک آف فرانس بن چکا تھا' لیکن نپولین نے کہا کہ فرانس قرضہ نہیں لے گا۔

''دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے اوپر ہوتا ہے' روپے کا کوئی ملک نہیں ہوتا' روپے والوں میں حب الوطنی نہیں ہوتی' ان کا واحد □ نفع کمانا ہوتا ہے''۔

لیکن اس خطرے کا احساس ہونے کے باوجود اس نے کوئی تدارک نہ کیا۔

1803ء میں صدر جیفرسن نے نپولین سے ایک سودا کیا' 30 لاکھ ڈالر کا سونا دے کر لوزیانہ (Louisiana) کا علاقہ فرانس سے خرید لیا۔ یہ رقم لے کر نپولین یورپ فتح کرنے نکل پڑا۔ بینک آف انگلینڈ نے ان سب ملکوں کو قرضہ دے کر مدد کی اور سب اس کے مقروض ہوگئے۔ چار سال بعد ناتھن راتھ شیلڈ نے فرانس سے سونا □ کر کے سپین میں ڈیوک آف ولنگٹن کو دے دیا کہ فرانس پر حملہ کر دے۔ حملہ کے نتیجہ میں نپولین کو شکست کھا کر Louis xviii کے حق میں دست بردار ہونا پڑا اور بعد میں اسے جزیرہ البا (Elba) میں ملک بدر کر دیا گیا۔

واٹرلو

1815ء میں نپولین جلاوطنی سے بچ کر دوبارہ فرانس آ گیا' فوج نے اس کو بادشاہ تسلیم کر لیا اور اب نپولین نے فرانس کے بینک سے فوج تیار کرنے کے لیے 50 لاکھ پونڈ ادھار لیے' مگر 90 دن کے اندر برطانیہ کے ڈیوک آف ولنگٹن نے واٹرلو کے میدان میں اسے شکست دے دی۔

اس کے بعد یہ بھی عام قاعدہ ہوگیا کہ بینک دونوں مخالفوں کو قرضہ دے' اس شرط پر کہ ہارنے والے کا قرضہ جیتنے والا ادا کرے گا۔ ایک اندازے کے مطابق 19ویں صدی کے اواخر میں راتھ شیلڈ خاندان کے پاس دنیا کی کل دولت کا آدھا حصہ آ چکا تھا۔

دوسرا بینک آف یو۔ ایس:

1816ء میں کانگریس نے 20 سال کے لیے ایک اور پرائیویٹ بینک بنانے کی اجازت دے دی۔ اس کی شرائط اور کاروبار کی نوعیت پہلے بینک والی ہی تھیں اور غالباً ایک تہائی انویسٹر باہر کے لوگ تھے۔ اس سے امریکہ اور بینکوں کے درمیان چوتھی

جنگ کا آغاز ہوا۔

انڈریو جیکسن (Andrew Jackson) یہ بینک بنانے کا مخالف تھا۔ وہ صدارت کا بھی امیدوار تھا۔ بینکرز انتخابات کو کنٹرول کرنا چاہتے تھے۔ اس کے باوجود 1828ء کے انتخابات میں وہ کامیاب ہو گیا۔ بینک کی دوبارہ منظوری 1836ء میں لینی تھی اور وہ جیکسن کی دوسری ٹرم کا آخری سال ہونا تھا بشرطیکہ وہ اس وقت تک صدر رہتے۔ اس کے باوجود اُس نے فیڈرل گورنمنٹ کے 11000 میں سے 2000 ملازمین کو برطرف کر دیا۔

1832ء میں جب دوسری ٹرم کے لیے انتخابات کا وقت قریب آ رہا تھا' بینکرز نے سوچا کہ اس موقع پر جیکسن جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہے گا' اس لیے چار سال پہلے ہی انہوں نے بینک کی دوبارہ منظوری کے لیے کانگریس کو کہا کہ بل پیش کرے۔ کانگریس نے مان لیا اور بل پاس کر دیا۔ مگر جب بل صدر کے پاس پہنچا تو اس نے اسے ویٹو کر دیا اور اس پر وہ نوٹ لکھا جو ایک عظیم امریکن دستاویز ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''بینک میں 80 لاکھ ڈالر کا سرمایہ غیر ملکیوں کا ہے۔ اتنی بڑی طاقت ان لوگوں کے ہاتھ میں دینا جو لوگوں کے سامنے اپنے کام کے ذمہ دار نہیں ہیں' بہت بڑی برائی کو جنم دے سکتی ہے۔ کیا اس سے ہمارے ملک کی آزادی کو خطرہ پیش نہیں آ سکتا؟ کرنسی کو کنٹرول کرنا' لوگوں کا روپیہ وصول کرنا اور ان کو اپنے اوپر انحصار کرانا اس سے زیادہ خطرناک ہے جو دشمن کی فوجی طاقت سے ہو سکتا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ امیر اور طاقتور لوگ ذاتی اغراض کے لیے قانون کو موڑ لیتے ہیں' حالانکہ حکومت کو چاہیے کہ اللہ کی بارش کی طرح ہر غریب اور امیر' ہر اعلیٰ اور ادنیٰ سب کے لیے نعمت بنے۔ اگر کانگریس کو کاغذی نوٹ جاری کرنے کا حق ہے تو اس لیے ہے کہ وہ خود یہ نوٹ جاری کرے نہ کہ دوسروں کو اس کی اجازت دے''۔

الیکشن آ گیا اور جیکسن اپنے ووٹ کے لیے باہر پھرنا شروع ہوا (اس سے پہلے صدارت کے امیدوار گھر میں ہی پڑے رہتے تھے)۔ اس کا نعرہ تھا بینک یا جیکسن' بینکرز نے 30 لاکھ ڈالر سے مخالف امیدوار کی مدد کی' مگر جیکسن جیت گیا۔ جیکسن نے کہا کہ ابھی کرپشن کے سانپ کو صرف زخم لگا ہے' وہ مرا نہیں۔ اس نے سیکرٹری خزانہ سے کہا کہ سرکاری روپیہ اس بینک سے نکال کر سٹیٹ بینک میں رکھے۔ اس نے انکار کر دیا۔ صدر نے دوسرے آدمی کو سیکرٹری مقرر کیا' مگر اس نے بھی انکار کر دیا۔ پھر تیسرے نے اس پر عمل کیا۔ صدر نے کہا کہ میں نے زنجیر ڈال دی ہے' اب اس کے دانت نکالوں گا۔ ادھر بینک کے صدر نکولاس بڈل (Nicholas Biddle) نے نئے سیکرٹری کو ہٹانے کے لیے اپنا اثر استعمال کیا اور کہا کہ اگر بینک کو چارٹر نہ کیا گیا تو وہ ملک میں کساد بازاری لے آئے گا۔ اس نے اعلانِ جنگ کیا:

''صدر سمجھتا ہے کہ اس نے انڈین لوگوں پر چاقو چلایا ہے اور ججوں کو قید کیا ہے تو وہ بینک کے ساتھ جو چاہے گا کرے گا' وہ غلطی پر ہے''۔

بڈل نے مزید کہا کہ وہ ملک میں روپے کی سپلائی کم کر دے گا۔ لوگ سخت تکلیف میں چلے جائیں گے اور کانگریس مجبور ہو جائے گی کہ بینک کو بحال کرے۔ یہ خالص سچائی تھی جو (خلافِ معمول) بیان کی گئی۔ ایسا کئی بار ہوا مگر کسی کو پتا نہ چلا۔ بڈل نے اپنی دھمکی پر عمل کیا۔ اس نے اپنے پرانے قرضے واپس مانگنے شروع کیے اور نئے قرضے دینے سے انکار کر دیا۔ لوگوں میں گھبراہٹ پیدا ہونے لگی۔ بڈل نے صدر جیکسن کو الزام دیا کہ حکومت نے اپنا روپیہ نکال لیا ہے' ہم مجبور ہیں۔ اس کے نتیجہ میں اجرتیں اور مزدوریاں ناپید ہو گئیں۔ بے روزگاری بڑھ گئی' تاجر کنگال ہونے شروع ہوئے' قوم چلانے لگی' اخبارات صدر کے خلاف لکھنے لگے۔ بینک نے کانگریس کے ارکان کو بھی ادائیگی سے انکار کر دیا اور ایک ماہ کے اندر اندر کانگریس اپنا اجلاس بلانے پر مجبور ہو گئی۔ جیکسن کو صدر بننے کے چھ ماہ بعد ہی ملزم گردانا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ صدر کو ملزم کہا گیا۔ جیکسن بینک پر برسا:

''تم سانپوں کی غار ہو۔ میں تمہیں نکالنا چاہتا ہوں' اور خدائے قیوم کی قسم! میں تمہیں نکال کے رہوں گا''۔

کانگریس کے ووٹوں سے بینک بحال ہو سکتا تھا، مگر پنسلوانیا کے گورنر نے (جہاں بینک کا ہیڈ کوارٹر تھا) صدر کی مدد کی۔ نیز بڈل کے کھلے اعلان نے کہ وہ اکانومی کو تباہ کر دے گا، حالات کو بدل دیا۔ کانگریس میں اکثریت نے بینک کے خلاف ووٹ دیا اور اسے چارٹر نہ مل سکا۔ 1936ء میں بینک بند ہو گیا۔ یہ چوتھی بینک جنگ تھی۔

30 جنوری 1835ء کو صدر پر قاتلانہ حملہ ہوا مگر وہ بچ گیا۔ حملہ آور پر مقدمہ چلا مگر پاگل پن کی بنیاد پر اسے رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد اس نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ یورپ کے بعض طاقتور آدمیوں نے اسے یہ کام دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر وہ پکڑا گیا تو اسے چھڑا لیا جائے گا۔

جیکسن نے منی چینجرز کو اس قدر خراب کیا کہ انہیں دوبارہ اس حالت تک پہنچنے کے لیے پوری ایک صدی لگی، جب 1935ء میں نیشنل بینک ایکٹ پاس ہوا۔

ابراہام لنکن اور سول وار

اگرچہ جیکسن نے پرائیویٹ سنٹرل بینک ختم کر دیا تھا مگر جزوی ریزرو بینکنگ برقرار رہی، یعنی بہت سے دوسرے بینک اپنی مالیت سے کہیں زیادہ قرضہ دے کر سود وصول کرتے رہے۔ مثلاً ایک بینک نے جس کے پاس صرف 86 ڈالر تھے، 50 ہزار ڈالر قرضہ دے رکھا تھا۔ منی چینجرز نے مرکزی حیثیت اور روپے پر اجارہ داری حاصل کرنے کے لیے پرانا حربہ آزمانے کا فیصلہ کیا، یعنی لڑائی کراؤ اور قرضہ دے کر انہیں اپنا دست نگر بناؤ۔

ابراہام لنکن کے صدر بننے کے ایک ماہ بعد 12 اپریل 1861ء کو فورٹ سمٹر (Fort Sumter) میں سول وار کی پہلی گولی چل گئی اور پانچویں امریکن بینک وار شروع ہو گئی۔

لنکن نے اپنے افتتاحی خطاب میں کہا تھا:

''مسئلۂ غلامی میں دخل دینے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرا ایسا کوئی قانونی حق نہیں ہے، نہ اس طرف میرا رجحان ہے''۔

گولی چلنے کے بعد اس نے کہا:

''میرا بڑا مقصد یونین (ملکی اتحاد) کو بچانا ہے۔ غلامی کو بچانا یا ختم کرنا میرا مقصد نہیں ہے۔ اگر کوئی غلام آزاد کیے بغیر میں یونین کو بچا سکوں تو میں ایسا ہی کروں گا''۔

سول وار کی کئی وجوہات تھیں۔ جرمن چانسلر بسمارک نے سول وار کے کئی سال بعد 1876ء میں کہا:

''اس میں کوئی شک نہیں اور میں یقینی طور پر جانتا ہوں کہ امریکہ کو دو برابر کی طاقت والی فیڈریشنوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کئی سال پہلے یورپ کی مالی قوتیں کر چکی تھیں۔ بینکرز کو ڈر تھا کہ اگر امریکہ ایک ملک رہا تو وہ اتنی بڑی مالی طاقت بن جائے گا جو یورپ کی سرمایہ کی برتری کو ختم کر دے گا''۔

ہاں! سول وار کی پہلی گولی چلنے کے چند ماہ کے اندر بینکرز نے نپولین سوم کو 21 ملین فرانکس دیے، تاکہ میکسیکو پر قبضہ کر لے اور امریکہ (یو۔ایس) کے جنوبی بارڈر پر فوجیں رکھ کر میکسیکو کو اپنی کالونی بنا لے۔ ادھر برطانیہ نے 11000 سپاہی امریکہ کے شمالی بارڈر پر لگا دیے۔

لنکن کو روپے کی ضرورت تھی۔ 1861ء میں لنکن نے منی چینجرز کو روپے کے لیے درخواست کی۔ انہوں نے 24 تا 36 فیصد سود پر قرضہ دینے کی حامی بھری۔ لنکن نے ان کا شکریہ ادا کیا اور اپنے ایک پرانے دوست کرنل ڈک ٹیلر (Dick Tayler) کو بلایا اور مشورہ مانگا۔ ڈک نے کہا:

''یہ آسان ہے۔ کانگریس سے کہو کہ لیگل ٹنڈر خزانے کے نوٹ چھاپنے کی اجازت دے۔ وہ سپاہیوں کو دو اور لڑائی جیت لو''۔

لنکن نے پوچھا کہ کیا لوگ اس نوٹ کو قبول کر لیں گے؟

ڈک نے کہا:

''جب وہ لیگل ٹنڈر رہوں گے، تو ہر کوئی قبول کرے گا اور وہ اندرونِ ملک ہر جگہ تسلیم کیے جائیں گے''۔

لنکن نے یہی کیا۔ 1862ء سے 1865ء تک اس نے 432 ملین ڈالر کے نوٹ چھاپ دیے۔ پرائیویٹ بینکوں کے نوٹوں سے پہچان کے لیے ان کی پشت سبز سیاہی سے چھاپی گئی۔ ان کا نام گرین بیک پڑ گیا۔ ان نوٹوں کی وجہ سے حکومت کو کوئی سود نہیں دینا پڑا۔ لنکن مالیات کو بہتر سمجھ گیا۔ اس نے کہا:

''حکومت کو ہی کرنسی پیدا کرنی اور چلانی چاہیے اور حکومت اور عام آدمی کی ضرورت پوری کرنی چاہیے۔ اس طرح لوگوں کو سود کے لیے ٹیکس بھی نہیں دینا پڑے گا۔ روپیہ آقا نہیں رہے گا بلکہ خادم بن جائے گا''۔

ادھر برطانیہ میں لندن ٹائمز نے یہ ناقابل یقین ایڈیٹوریل لکھا:

''اگر یہ شر انگیز مالی پالیسی جو نارتھ امریکہ میں شروع ہوئی ہے' برقرار رہی تو حکومت بغیر خرچ کے اپنا روپیہ پیدا کر لے گی' اپنی تجارتی ضروریات پوری کر لے گی اور مثالی طور پر خوشحال ہو جائے گی۔ پھر سب ملکوں کے بہترین دماغ اور دولت امریکہ چلے جائیں گے۔ اس ملک کو برباد کر دینا چاہیے ورنہ وہ زمین کی ہر شہنشاہیت کو تباہ کر دے گا''۔

اس وقت تک یورپ کے سب بادشاہوں کو پرائیویٹ بینکوں نے زنجیر ڈال دی تھی' اس لیے بینکرز ان قیدی بادشاہوں کو بچانا چاہتے تھے۔

گرین بیک جاری ہونے کے چار دن کے اندر بینکرز کا اجلاس ہوا کہ گرین بیک تو ان کو تباہ کر دیں گے! انہوں نے فیصلہ کیا کہ امپورٹ ڈیوٹی اور سود ادا کرنے کے لیے گرین بیک قبول نہیں کیے جائیں گے' یا ان پر 185٪ سرچارج لیا جائے گا۔ لنکن مجبور ہو گیا اور نیشنل بینک ایکٹ بنانے کی اجازت دے دی۔ اس ایکٹ سے نیشنل بینک بنے جو ٹیکس فری تھے اور نوٹ بھی جاری کر سکتے تھے۔ 13 جون 1863ء کو راتھ شیلڈ برادران نے امریکہ میں اپنے حواریوں کو لکھا:

''موجودہ ایکٹ انہی لائنوں پر بنایا گیا ہے جو یہاں پچھلی گرمیوں میں برطانوی بینکروں نے تجویز کی تھیں۔ یہ بینکنگ برادری کے لیے انتہائی نفع آور ہے۔ روپیہ جمع کرنے کا اتنا عمدہ طریقہ پہلے کبھی نہیں بنا۔ اس سے نیشنل بینکوں کو ملکی مالیات پر مکمل کنٹرول حاصل ہو جائے گا۔ چند لوگ اسے سمجھیں گے مگر عوام کی اکثریت کو کچھ پتا نہیں لگ سکتا''۔

اس کے بعد سرکاری روپے کے ساتھ بینکرز کا روپیہ بھی استعمال میں آنے لگا جو سود پر سرکاری بانڈ خرید کر جاری کیا جاتا اور بینک نوٹ خریدنے والوں سے بھی سود لیا جاتا۔ علاوہ ازیں بینکرز نے کانگریس کو مجبور کیا کہ سرکاری نوٹ ختم کر دے اور وہ مان گئی۔ لنکن دوبارہ منتخب ہو گیا' لیکن 41 دن بعد ہی 14 اپریل 1865ء کو قتل کر دیا گیا۔ وہ زندہ رہتا تو بینکرز کو ختم کر دیتا' کیونکہ اس نے 21 نومبر 1864ء کو ایک دوست کو خط لکھا تھا:

''روپے کی قوتیں امن کے زمانے میں قوم کا شکار کھیلتی ہیں اور □ حالات میں سازشیں کرتی ہیں۔ وہ بادشاہت سے زیادہ جابر' □ العنان حکومت سے زیادہ مغرور اور دفتری کارندوں سے زیادہ خود غرض ہیں۔ کارپوریشنوں کو تخت پر بٹھا دیا گیا ہے' اب اونچے ایوانوں میں بدعنوانی پھیلے گی اور روپے کی طاقتیں ملک میں تعصّبات پیدا کریں گی' یہاں تک کہ روپیہ چند ہاتھوں میں جمع ہو جائے گا اور ریاست تباہ ہو جائے گی''۔

لنکن کے قتل پر جرمن چانسلر نے کہا:

''لنکن کی موت دنیائے عیسائیت کی تباہی تھی۔ امریکہ میں اتنا عظیم اور کوئی شخص نہ تھا جو اس کی جگہ لے سکتا''۔

70 سال بعد یہ ظاہر ہوا' لنکن کو قتل کرانے والے بینکرز تھے۔

گولڈ سٹینڈرڈ کو واپسی

لنکن کے بعد بینکرز کی کوشش تھی کہ روپے کا اجراء پورے طور پر ان کے ہاتھ میں آ جائے اور چاندی کی بجائے سونا اس کی بنیاد ہو۔ یہ اس لیے کہ چاندی امریکہ میں بہت تھی اور اس کا کنٹرول مشکل تھا' مگر سونا قلیل تھا اس لیے اس کی اجارہ داری آسان تھی۔ 1872ء میں بینک آف انگلینڈ نے ایک آدمی کو ایک لاکھ پونڈ دے کر بھیجا کہ کانگریس کے ارکان کو رشوت دے کر چاندی کی بجائے سونے کو معیار (سٹینڈرڈ)

بنائیں۔ چنانچہ وہ بل پاس ہوگیا اور چند سالوں میں جرمنی' فرانس' اٹلی اور سوئٹزرلینڈ وغیرہ میں بھی گولڈ سٹینڈرڈ تسلیم کرلیا گیا۔

امریکہ میں 1866ء میں ایک ارب 80 کروڑ کے ڈالر سرکولیشن میں تھے۔ انہیں بتدریج کم کیا گیا حتیٰ کہ 1886ء میں 40 کروڑ رہ گئے۔ روپے کی کمی سے بے روزگاری اور کساد بازاری پیدا ہوئی۔ قوموں کو تباہ کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کرنسی کی افراط کردی جائے اور پھر اسے کم کردیا جائے۔

1876ء میں مزدوروں کی ایک تہائی بے روزگار ہوگئی اور قوم میں مطالبہ شروع ہوا کہ گرین بیک اور چاندی کے سکے واپس لائے جائیں۔ چنانچہ کانگریس نے ایک کمیشن بٹھایا جس نے یہ ہولناک رپورٹ پیش کی:

> ''یورپ میں تاریک زمانہ (Dark Ages) روپے کی کمی اور قیمتوں کے گرنے سے پیدا ہوا تھا۔ روپے کے بغیر تہذیب پیدا ہی نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ روپے کی کمی سے وہ کمزور ہوکر بالآخر تباہ ہوگئی۔ سن عیسوی کے آغاز پر رومی سلطنت میں ایک ارب 80 کروڑ دھات کے سکے تھے۔ پندرہویں صدی کے آخر میں 20 کروڑ رہ گئے۔ چنانچہ وہ سلطنت تاریکی میں ڈوب گئی''۔

اس رپورٹ کے باوجود کانگریس نے کچھ عمل نہ کیا۔ اگلے سال ملک میں فسادات شروع ہوگئے۔ بینکرز نے اپنا رویہ سخت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ان کے سیکرٹری نے ممبران کو لکھا:

> ''ایسے بڑے بڑے اخبارات کی مدد کی جائے جو گرین بیک کی مخالفت کریں اور جو اخبار اس پر رضامند نہ ہو اس کی مدد روک لی جائے۔ ایسا نہ ہوا تو ہمارا انفرادی نفع کم ہوجائے گا۔ اپنے حلقے کے کانگریس مین کو بھی ملو اور اس کی مدد حاصل کرو''۔

فروری 1878ء میں کانگریس نے محدود تعداد میں چاندی کا ڈالر بنانے کی اجازت دے دی اور بینکوں نے بھی کچھ روپیہ ریلیز کردیا۔ چنانچہ حالات بہتر ہوگئے۔

1880ء میں جیمز گارفیلڈ (James Gar Field) صدر منتخب ہوگیا۔ وہ اس مسئلہ کو سمجھتا تھا' اس نے کہا:

> ''جو کوئی بھی کسی ملک میں روپے کی مقدار کو کنٹرول کرتا ہے وہ تمام صنعت و تجارت کا مالک ہوتا ہے جب آپ کو معلوم ہو کہ کتنی آسانی سے سسٹم کنٹرول ہو سکتا ہے تو یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہتی کہ افراط زر اور کساد بازاری کیسے پیدا کرتے ہیں''۔

اس بیان کے چند ہفتے بعد 2 جولائی 1881ء کو صدر گارفیلڈ کو قتل کردیا گیا۔

چاندی کی آزادی

1891ء میں منی چینجرز نے امریکن اکانومی میں زوال لانے کی سکیم بنائی۔ ان کی انجمن نے سب بینکروں کو جو خط لکھا اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر کیا □ تھا۔

> ''یکم ستمبر 1894ء کو ہم قرضے نہیں دیں گے' بلکہ واپس طلب کریں گے' پھر مسسپی کے مغرب میں ہم دو تہائی کھیتوں اور مشرق میں ہزاروں کھیتوں پر قبضہ کرلیں گے۔ پھر زمیندار ہمارے مزارع بن جائیں گے جیسے انگلستان میں ہیں''۔ یعنی لوگوں کی جائیدادیں ہڑپ کرنا۔

1896ء اور 1900ء میں سینٹر برائن (Bryan) نے صدارت کا انتخاب لڑا اور اس نے گولڈ سٹینڈرڈ کی مخالفت کی مگر جیت نہ سکا۔

جزیرہ جیکل (JEKYLL ISLAND)

صدر ٹیڈی روز ویلٹ نے 1907ء میں نیشنل مانیٹری کمیشن بنایا۔ کمیشن کا چیئرمین سینٹر ایلڈرخ (Alderich) تھا جو مارگن کا حصہ دار تھا اور اس کی بیٹی کی شادی راک فیلر جونیئر سے ہوئی تھی۔ ان کے پانچ بیٹے تھے جو بڑے بڑے عہدوں پر پہنچے۔ قانون پاس ہونے کے بعد ایلڈرخ دو سال کے ٹور پر یورپ روانہ ہوگیا۔ اس کے لیے اسے تین لاکھ ڈالر دیے گئے۔ اس کی واپسی پر نومبر 1910ء میں امریکہ کے سات امیر ترین شخص خاموشی سے جزیرہ جیکل میں جمع ہوئے۔ ان میں پال واربرگ

(Paul Warbarg) بھی تھا جسے پانچ لاکھ ڈالر دیے گئے' تاکہ پرائیویٹ مرکزی بینک کے حق میں فضا پیدا کرے۔ ان میں ایک جیکب شف (Jacob Schiff) بھی تھا جو راتھ شیلڈ کے گرین ہاؤس کا حصہ دار تھا۔ (شف نے بعد میں زار روس کو مٹانے کے لیے دو کروڑ ڈالر خرچ کیے) راتھ شیلڈ' وار برگ اور شف آپس میں شادی کے بندھنوں میں بندھے تھے۔

میٹنگ کو خفیہ رکھنے کے لیے فیصلہ کیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کو نام کے پہلے لفظ سے پکاریں گے تاکہ ملازموں کو بھی علم نہ ہو کہ یہ کون لوگ ہیں۔

اس صدی کے پہلے دس سالوں میں امریکہ میں بینکوں کی تعداد دوگنی ہوگئی جس میں صرف 20 فیصد نیشنل بینک تھے اور ان کا سرمایہ 57 فیصد تھا۔ 70 فیصد کارپوریشنیں قرض لینے کی بجائے اپنے نفع پر چل رہی تھیں۔ بالفاظ دیگر امریکی صنعت منی چینجروں کے شکنجے سے آزاد ہو رہی تھی جس کا تدارک ضروری تھا۔ جس کے لیے یہ لوگ جمع ہوئے تھے انہیں معلوم تھا کہ اس کا تدارک ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں' مسئلہ صرف یہ تھا کہ نئے مرکزی بینک کا نام کیا ہو' تاکہ اصل بات کی طرف لوگوں کا دھیان نہ جائے۔ ایلڈرخ کا خیال تھا کہ ''بینک'' کا لفظ بھی نام میں نہیں آنا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے بینک کی بجائے فیڈرل ریزرو (فیڈ) کے نام سے ایک مرکزی ادارہ بنانے کا فیصلہ کیا جس کے مقاصد اور طریق کار ہو بہو وہی تھا جو سابقہ بینک آف یو ایس کا تھا۔

فیڈرل ایکٹ آف 1913ء

اب سوال یہ تھا کہ فیڈ (فیڈرل ریزرو) روپیہ کیسے پیدا کرے گا۔ اس کو سمجھنے کے لیے سرکاری بانڈ کی حقیقت کو سمجھنا ہوگا۔ بانڈ ایک وعدہ ہے کہ رقم واپس کردی جائے گی اور سود بھی دے دیا جائے گا۔ لوگ انہیں خرید لیتے ہیں۔ جب مدت پوری ہوتی ہے تو رقم واپس مل جاتی ہے اور بانڈ ضائع کر دیا جاتا ہے۔

''فیڈ'' اس طرح روپیہ پیدا کرتا ہے:

ا) فیڈ کی مارکیٹ کمیٹی کھلی مارکیٹ سے بانڈ خریدنے کا فیصلہ کرتی ہے۔
ب) نیویارک فیڈ بینک جہاں سے بھی ملیں بانڈ خرید لیتا ہے۔
ج) فیڈ بانڈ بیچنے والے کو ادائیگی الیکٹرانک کریڈٹ سے اس کے بینک کو کرتا ہے جو اتنی رقم اس کے حساب میں لکھ دیتا ہے' حالانکہ یہ رقم نہ کہیں سے آتی ہے' نہ جاتی ہے۔
د) بینک اس رقم کو بطور ریزرو رکھ لیتے ہیں اور اس کے عوض دس گنا سودی قرضہ لوگوں کو دے دیتے ہیں۔

اس طرح فیڈ عام بینکوں کو دس گنا سودی قرضہ دینے کا موقع مہیا کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کئی وجوہات سے بینک دس گنا سے بھی زیادہ قرضہ دے دیتے ہیں۔

یہ ایکٹ کانگریس نے پاس کردیا اور صدر ولسن نے دستخط کر دیے۔ اس کی رو سے منی چینجرز کو لوگوں سے انکم ٹیکس وصول کرنے کا حق بھی دے دیا گیا۔ یہ ایکٹ پاس ہونے سے پہلے اٹارنی الفرڈ (Alfred) سے پوچھا گیا تو اس نے کہا:

''یہ بل وہ چیز عطا کرتا ہے جو وال سٹریٹ اور بڑے بینک 25 سال سے مانگتے رہے ہیں' یعنی کرنسی پر گورنمنٹ کی بجائے پرائیویٹ کنٹرول۔ ان کو اختیار ہوگا کہ روپیہ عام کر دیں یا کم''۔

جس دن بل پاس ہوا کانگریس مین لنڈبرگ (Lindberg) نے تنبیہ کی:

''یہ بل زمین پر عظیم ترین ٹرسٹ قائم کرتا ہے۔ جب صدر دستخط کر دے گا تو روپے کی طاقت کی نہ نظر آنے والی حکومت قائم ہو جائے گی۔ لوگوں کو فوراً سمجھ نہیں آئے گی مگر زمانے کا بدترین قانونی جرم سرزد ہو چکا ہوگا''۔

کانگریس میں لوئس میکفیڈن (Louis Mcfadden) نے کہا:

''اس ایکٹ نے بین الاقوامی بینکروں اور صنعتکاروں کی ایک سپر سٹیٹ قائم کر دی ہے تاکہ دنیا کو اپنی مرضی کا غلام بنائیں''۔

رائٹ پیٹ مین (Wright Patman) نے کہا:

''امریکہ میں اب دو حکومتیں ہیں۔ ایک آئینی حکومت اور دوسری فیڈرل

ریزروسسٹم کی آزاد بے مہار اور بدون تعاونِ حکومت''۔

حتیٰ کہ بجلی کے موجد ایڈیسن (Edison) نے کہا:

''اگر حکومت ڈالر بانڈ جاری کرسکتی ہے تو وہ ڈالر بل بھی جاری کرسکتی ہے۔ یہ کہنا حماقت ہے کہ ہماری حکومت تین کروڑ کے بانڈ جاری کرسکتی ہے، مگر تین کروڑ کی کرنسی جاری نہیں کرسکتی۔ دونوں وعدے ہیں مگر ایک سودخوروں کو موٹا کرتا ہے اور دوسرا لوگوں کی مدد کرتا ہے''۔

تین سال کے بعد صدر ولسن نے بھی کہا:

''ہم پر ایک بدترین حکمرانی مسلط ہوگئی ہے۔ یہ آزاد رائے یا اکثریتی ووٹ کی حکومت نہیں بلکہ ایک چھوٹے سے غالب گروہ کی حکومت ہے۔ اب صنعت و تجارت کے مالکان خوفزدہ ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کہیں ایک بہت منظم، پراسرار، اثرپذیر اور چوکس حکومت قائم ہے اس لیے بہتر ہے کہ وہ خاموش رہیں''۔

مرنے سے پہلے 1924ء میں صدر ولسن نے کہا:

''میں نے بغیر سوچے سمجھے اپنی حکومت کو برباد کردیا''۔

جیمز رینڈ (James Rand) نے کہا:

''گورنمنٹ کو کسی گروپ کو اپنے اوپر ایسا اختیار نہیں دینا چاہیے جیسا آج فیڈرل ریزرو بورڈ کو ہے۔ پرائیویٹ ادارے کو روپے کی قدر □ کرنے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے''۔

پہلی جنگ عظیم (1914-18ء)

بینکرز کو معلوم تھا کہ قرضے کی ضرورت جتنی جنگ میں ہوتی ہے کسی اور وقت نہیں ہوتی۔ جنگ عظیم اوّل میں جرمن راتھ شیلڈ نے جرمنی کو قرضہ دیا، برطانوی راتھ شیلڈ نے برطانیہ کو دیا، فرانسیسی نے فرانس کو دیا، جبکہ امریکہ میں مارگن سامانِ جنگ کی خریداری کے لیے فرانس اور برطانیہ دونوں کا ایجنٹ تھا۔ چھ ماہ کے عرصے میں وہ دنیا کا امیر ترین شخص بن گیا۔ وہ ایک دن میں ایک کروڑ ڈالر خرچ کرتا تھا۔ وہ راتھ شیلڈ کا ساتھی تھا۔ صدر ولسن نے بروخ (Baruch) کو جنگی صنعت کے بورڈ کا صدر بنا دیا۔

بروخ اور راتھ شیلڈ نے جنگ کے دوران 20 کروڑ ڈالر نفع کمایا۔

ان کا □ زار روس سے انتقام لینا بھی تھا، کیونکہ اس نے پرائیویٹ بینکوں کو کام کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ جیکب شف (Jacob Schiff) نے زار کو شکست دینے کے لیے دو کروڑ ڈالر خرچ کیے۔ بینکرز بالشویک کے ذریعے روس میں اقتدار حاصل کرنا چاہتے تھے۔

لیکن کیا امیر لوگ کمیونزم کی حمایت کریں گے، جو سرمایہ داری کو تباہ کرنے کا دعوے دار تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ کمیونزم سرمایہ داروں کا پیدا کردہ تھا۔

گیری ایلن (Garry Allen) کہتا ہے:

''سوشلزم دولت کی مساوی تقسیم کا پروگرام نہیں بلکہ دولت کو جمع کرنے اور کنٹرول کرنے کا ایک طریقہ ہے، اس لیے سرمایہ دار اس کو پسند کریں گے''۔

لوئی میکفیڈن کہتا ہے:

''روسی تاریخ کو بینکرز نے بہت متاثر کیا ہے۔ روس کو فیڈ نے چیز بینک (Chase Bank) کے ذریعے فنڈ دیے ہیں اور انگلینڈ نے فیڈرل ریزرو بینک کے ذریعے امریکہ سے قرضہ لے کر زیادہ سود پر روس کو دے دیا''۔

روس جرمنی کے بعد امریکہ سے توازن رکھنے کے لیے مفید تھا۔ 1989ء میں اس کے خاتمہ پر چین نیا توازن ہے اور اسے 10 کروڑ ڈالر کی تجارت کے ذریعے مدد دی جارہی ہے۔ اس توازن کا □ یہ ہے کہ بینکرز کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ملک ان کے خلاف کرے تو وہ اس کے مخالف کو مدد دے کر نقصان پہنچائیں گے۔ روسی سوشلزم میں بھی راک فیلر کا سٹی بینک برقرار رہا، جبکہ باقی قومیائے گئے۔ (پاکستان میں بھٹو نے بینک کو قومیا لیا، لیکن بیرونی بینکوں اور صنعتوں کو رہنے دیا) روس میں کئی اور مغربی بینک بھی کام کرتے رہے۔ لڑائی کے زمانے میں ڈالروں کی مقدار دوگنی ہوگئی اور ڈالر کی قیمت نصف ہوگئی۔

ہنگامہ پرور تیسری دہائی اور عظیم کساد بازاری

پہلی عالمی جنگ کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ منی چینجرز کا بشمول امریکہ ہر ملک کی اکانومی پر کنٹرول ہے‘ اور اب وہ اپنی ایک عالمگیر حکومت بنانے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ پیرس امن کانفرنس میں لیگ آف نیشنز کے نام سے نئی عالمی حکومت کی تجویز پیش ہوئی اور صدر ولسن کے ساتھ برنارڈ بروخ (Bernard Baruch) جس نے جنگ کے دوران کروڑوں ڈالر نفع کمایا تھا‘ بھی کانفرنس میں شامل ہوا لیکن دنیا ابھی اس کے لیے تیار نہ تھی‘ ابھی وطنیت کا تصور ذہنوں میں جاگزیں تھا۔ برطانوی سیکرٹری خارجہ لارڈ کرزن نے اسے ایک اچھا مذاق کہا۔ امریکی کانگریس نے اس کی تائید نہ کی۔ تائید اور مالی امداد کے بغیر لیگ خود ہی مر گئی۔

جنگ کے بعد امریکہ پر قرض دس گنا ہو گیا لیکن اکانومی درست رہی۔ دوسرے ممالک خاص طور پر برطانیہ سے سونا لڑائی کے زمانے میں اور بعد میں بھی آتا رہا۔ صدر نے ٹیرف بڑھا کر آمدنی بڑھائی۔

لیگ آف نیشنز کے بے معنی ہو جانے کی وجہ سے منی چینجرز نے دوسری عالمی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ چنانچہ انہوں نے امریکن اکانومی کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ فیڈرل ریزرو نے روپے کی افراط شروع کر دی اور اسے 67 فیصد بڑھا دیا۔ بزنس بڑھ گیا لیکن وہ سب ادھار پر تھا۔ سب خوش تھے مگر یہ محل ریت پر بنا تھا۔

اپریل 1929ء میں فیڈرل ریزرو کے سربراہ واربرگ (Warburg) نے اپنے دوستوں کو وارننگ بھیجی کہ سرد بازاری کا آنا یقینی ہے۔ اگست 1929ء میں فیڈ نے روپیہ کھینچنا شروع کر دیا‘ اور یہ محض اتفاق نہیں کہ سٹاک مارکیٹ کریش ہونے سے پہلے راک فیلر‘ مارگن اور بروخ وغیرہ نے اپنے حصے بیچ دیے۔

24 اکتوبر 1929ء کو بڑے بینکروں نے اپنے قرضے واپس مانگ لیے۔ لوگوں کو اپنے سٹاک معمولی قیمتوں پر بیچنے پڑے اور مارکیٹ بیٹھ گئی۔ اس دن کو ’’تاریک جمعرات‘‘ کا نام دیا گیا۔ یہ حادثہ روپیہ کھینچ لینے کی وجہ سے ہوا۔

چند ہفتوں میں تین بلین ڈالر کم ہو گئے‘ ایک سال میں 40 بلین کم ہو گئے اور بالآخر زراعت اور متوسط طبقے کے ہاتھوں سے 200 بلین ڈالر نکل گئے۔ آج حالت یہ ہے کہ 65 سال کی عمر میں بھی لوگوں کے پاس نہ مکان ہیں‘ نہ کھیت اور ان کے قرضے کی رقم نکال دیں تو ان کے پاس کچھ بھی نہیں رہتا۔

فیڈرل ریزرو نے مارکیٹ کو روپیہ سپلائی کرنے کی بجائے مزید 33 فیصد کم کر دیا لیکن روپیہ ختم نہیں ہوا‘ بلکہ ان کے پاس چلا گیا جنہوں نے کریش سے پہلے بانڈ خرید لیے تھے‘ پھر انہوں نے امریکہ ہی خرید لیا‘ علاوہ ازیں روپیہ یورپ کو ٹرانسفر ہونا شروع ہو گیا۔

ہٹلر کے پولینڈ پر حملے سے آٹھ سال پہلے کرنسی کمیٹی کے صدر میکفیڈن نے کانگریس کو تنبیہہ کی کہ ہٹلر کے عروج کی ادائیگی امریکہ کر رہا ہے۔

> ’’پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی انٹرنیشنل بینکرز کے قبضے میں آ گیا‘ اب وہ اس کے مالک ہیں۔ وہی اس کی صنعت کے مالک ہیں‘ اس کی پیداوار اور مفادِ عامہ کو کنٹرول کرتے ہیں‘ وہ گورنمنٹ کو امداد دیتے ہیں اور ہٹلر کو اوپر لانے کے لیے انہوں نے ہی روپیہ دیا ہے۔ فیڈرل ریزرو کے ذریعے 30 بلین ڈالر جرمنی میں ڈال دیے گئے۔ وہاں کی فیکٹریاں‘ سڑکیں‘ مکان‘ پارک اور جمنازیم ہمارے روپے سے بنے ہیں‘‘۔

صدر ہوور (Hoover) نے چھوٹے بینکوں کو اوپر لانے کی کوشش کی مگر کچھ نہ بنا۔ روزویلٹ (Rosevelt) اسی سال 1932ء میں صدر بنا تو فیڈرل ریزرو نے بٹوا کھولا اور کچھ روپیہ نکالا۔

جنگ عظیم دوم اور ناکس قلعہ

صدر روزویلٹ نے پہلے تو منی چینجرز کو سرد بازاری کا باعث گردانا۔ چنانچہ 4 مارچ 1933ء کو اس نے اپنے افتتاحی خطاب میں کہا:

> ’’بے اصول منی چینجرز کا عمل عوامی عدالت میں ملزم ہے اور لوگوں کے دل و

دماغ اسے مسترد کرتے ہیں۔ منی چینجرز ہماری تہذیب کے □ کی اونچی کرسیوں سے بھاگ گئے ہیں'۔

لیکن دو دن بعد ہی روز ویلٹ نے بینک ہالیڈے کا اعلان کر دیا اور تمام بینک بند کر دیے۔ اسی سال بعد میں اس نے سونا اور سونے کے سکے ذاتی ملکیت میں رکھنا غیر قانونی قرار دے دیا۔ عام امریکیوں کے پاس سونے کے سکے ہی تھے۔ لہٰذا نئے حکم کا □ ان کی ضبطی تھا۔ نہ ماننے والوں کی سزا دس سال قید اور دس ہزار جرمانہ تھا جو آج کے ایک لاکھ ڈالر کے برابر تھا۔

جمع کرانے والوں کو فی اونس کے عوض 20.66 ڈالر دیے گئے۔ ضبطی کا یہ حکم اتنا ناپسندیدہ تھا کہ کوئی اسے اپنانے کو تیار نہ تھا۔ حتیٰ کہ صدر نے کہا کہ وہ اس قانون کا مجوز نہیں ہے بلکہ اس نے اسے پڑھا بھی نہیں۔ اس نے کہا کہ ماہرین یوں چاہتے ہیں' سوچو کہ وہ ماہرین کون تھے۔

روز ویلٹ نے لوگوں کو یہ کہہ کر یقین دلایا کہ اس طرح کساد بازاری دور ہو جائے گی۔ لیکن سونا استعمال نہ کیا گیا اور فیڈ نے روپے کو بھی محدود رکھا۔

12 مئی 1933ء کو کانگریس نے یہ قانون پاس کیا کہ صدر 3 بلین ڈالر کے نوٹ جاری کرے (جیسے لنکن کے گرین بیک تھے)۔ بینکرز نے مطالبہ کیا کہ صدر یہ نوٹ جاری نہ کرے اور صدر نے تسلیم کر لیا۔

پھر روز ویلٹ نے آرڈر دیا کہ سونے کا یہ پہاڑ ایک جگہ جمع کیا جائے۔ 1936ء میں ناکس قلعہ میں وہ جگہ تعمیر ہو گئی اور جنوری 1937ء میں سونا وہاں آنا شروع ہو گیا۔ 1935ء میں جب سب سونا عوام سے منتقل ہو گیا تو اس کی قیمت 35 ڈالر فی اونس کر دی گئی۔ دھوکا دینے کے لیے کہا گیا کہ صرف غیر ملکی اس نرخ پر بیچ سکتے ہیں۔ منی چینجرز نے جنھوں نے وار برگ کے نوٹ پر سونا 20.66 ڈالر کے حساب سے یورپ بھیج دیا تھا' اب یہ سونا واپس منگوا کر گورنمنٹ کے پاس □ نرخ پر بیچا۔

دوسری جنگ عظیم ہوئی تو دنیا کی سب قوموں کا قرضہ بہت بڑھ گیا۔ امریکہ کا قرضہ جو 1940ء میں 43 بلین ڈالر تھا 1950ء میں 257 بلین ڈالر ہو گیا' یعنی 598 فیصد بڑھ گیا' جاپان کا قرضہ 348 فیصد بڑھ گیا اور کینیڈا کا قرضہ 417 فیصد بڑھ گیا' وغیرہ۔

راک فیلر نے بالشویک روس کو مدد دی اور ساتھ ہی نازی جرمنی کو اور روز ویلٹ کے نئے سوشل پروگرام کے لیے بھی رقم دی۔ وال سٹریٹ سب کی پشت پر تھی۔

جنگ کے بعد دنیا دو اکنامک گروہوں میں بٹ گئی۔ ایک طرف کمیونسٹ اکانومی تھی اور دوسری طرف سرمایہ دارانہ اجارہ داری اور ان کے درمیان مستقل سرد جنگ شروع ہو گئی۔ بینکرز کی گرفت دونوں پر تھی۔

لڑائی کے بعد دو پارٹی یا کئی پارٹی جمہوریتوں کے قیام سے جوڑ توڑ مزید آسان ہو گیا۔ روپے کی کمی اور مشکل وقت میں لوگوں کا رجحان کمیونزم کی طرف ہوتا۔ زیادہ روپیہ اور آسان وقت میں دوسری طرف ہو جاتا۔

انٹرنیشنل بینکرز روپے کی کمی یا بیشی پیدا کرنے پر قادر تھے۔ مالی طاقت اور میڈیا پر کنٹرول کے ذریعے جمہوریتوں کو زیر وزبر کرنا آسان تھا۔

اب وہ وقت آ چکا تھا کہ بینکرز معاشی نظام کو پوری دنیا میں ایک کر دیں اور پھر دنیا پر اپنی حکومت یا نیو ورلڈ آرڈر قائم کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے پلان بنایا۔

پہلا قدم: پوری دنیا کی معاشیات کو ایک مرکزی بینک کے ذریعے کنٹرول کرنا۔

دوسرا قدم: علاقائی معاشی کنٹرول کے لیے یورپی یونین اور نافٹا (NAFTA) جیسی تنظیموں کا قیام۔

تیسرا قدم: ورلڈ سینٹرل بینک کے طور پر بی آئی ایس' آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کا قیام اور ایک بین الاقوامی نوکر شاہی' WTO کے تحت (GATT) کر کے ٹیرف ختم کر کے قوموں کی آزادی سلب کر لی جائے۔

پہلا قدم مدت ہوئی مکمل ہو چکا ہے۔ دوسرا اور تیسرا ابھی مکمل ہونے کو ہے۔

علاقائی نافٹا کی منظوری کے موقع پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے راک فیلر نے کہا:

''پانچ سو سال بعد مغرب میں ایک نئی دنیا بسانے کے لیے ہر چیز اپنی جگہ پر آ رہی ہے''۔

1994ء میں گیٹ ٹریٹی بنائی گئی جس کی رو سے ملکوں کے درمیان ٹیرف ختم کیے جا رہے ہیں۔ عالمی جنگ کے بعد بینکرز کے زیر کنٹرول مغرب کی حکومتیں پچاس سالہ پروگرام کے تحت اپنے شہریوں کی دولت ضبط کرنے میں لگی ہیں۔ یہ کام افراطِ زر پیدا کر کے کیا جاتا ہے۔ اس سے مزدوریوں اور تنخواہوں کی قوت خرید کم ہو جاتی ہے اور ٹیکس بڑھ جاتے ہیں اور روپیہ بینکرز کو منتقل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

بینک آف انگلینڈ کا ایک ڈائریکٹر کینیز (Keynes) یوں کہتا ہے:

''افراطِ زر کو مسلسل بڑھا کر حکومت خفیہ طور پر شہریوں کی دولت کا بڑا حصہ ضبط کر لیتی ہے''۔

1913ء میں فیڈ بننے کے بعد امریکہ میں 1000 فیصد افراطِ زر ہو چکی ہے جس سے ڈالر کی قوت خرید 90 فیصد کم ہو گئی ہے۔ یورپ میں بھی یہی ہوا ہے، لیکن حکومتوں کو بہت کم نفع ہوا ہے۔ چند بینک جو جزوی ریزرو بینکنگ پر کام کرتے ہیں، سب دولت سمیٹ کر لے گئے ہیں۔ اس قدر کہ متوسط طبقہ ان کے قرضوں کا غلام ہے جن کے پاس نہ زمین ہے، نہ مکان، نہ کار اور نہ کچھ۔ متوسط طبقہ اور غریب طبقوں میں صرف یہ فرق رہ گیا ہے کہ متوسط طبقہ کو اس کی کمائی دیکھ کر قرضہ مل جاتا ہے جبکہ غریب طبقے کو نہیں ملتا۔

''سونے کی □ کیا ہے؟ کیا امریکہ کے پاس اتنا سونا نہیں ہے کہ اپنے قرضے کے مسئلے کو حل کر سکے؟ سب سے زیادہ سونا آئی ایم ایف کے پاس ہے۔ اس کے اور دوسرے مرکزی بینکوں کے قبضے میں دنیا کا دو تہائی سونا ہے۔ اس لیے کوئی بھی ان کے مقابلے یا روپے کی پشت پناہی کے لیے سونا استعمال نہیں کر سکتا۔ ان کا سنہری قانون یہ ہے کہ ''جس کے پاس سونا ہے وہی قانون بناتا ہے''۔

بہت سے امریکیوں کا خیال ہے کہ سونا ابھی ناکس قلعہ میں ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے خاتمہ پر ناکس قلعہ میں 702 ملین اونس سونا تھا، یعنی پوری دنیا کے سونا کا 70 فیصد۔ اب کتنا باقی ہے کوئی نہیں جانتا۔ قانون کہتا ہے کہ ناکس کا ہر سال فزیکل آڈٹ کیا جائے مگر خزانچی اجازت نہیں دیتے۔ صحیح بات یہ ہے کہ صدر ایزن ہاور کے حکم پر 1953ء میں جو آڈٹ ہوا، وہی ہوا۔

سونا کہاں گیا؟ 1971ء تک سب سونا وہاں سے نکال لیا گیا ہے۔ زیادہ تر فیڈ کے ذریعے بینک آف انگلینڈ کو دے دیا گیا۔ جب یہ ہو چکا تو صدر نکسن نے روز ویلٹ کا 1934ء کا قانون منسوخ کر دیا اور امریکیوں کو سونا خریدنے کی اجازت دے دی۔

قدرتی طور پر سونے کی قیمت بڑھنے لگی۔ 9 سال کے بعد 880 ڈالر فی اونس، یعنی اس وقت سے جب ناکس قلعہ کا سونا بیچا گیا، 25 گنا زیادہ ہو گئی۔ سوال یہ ہے کہ سونے کی یہ چوری کیسے ظاہر ہوئی؟ 1974ء میں ایک رسالے میں ایک □ ن لکھا گیا کہ راک فیلر کا خاندان ناکس قلعہ کا سونا یورپ کے گمنام سٹہ بازوں کو فروخت کر رہا ہے۔ تین دن کے بعد اس کہانی کی گمنام محرر لوئی آخن کلاس بائر (Louise Auchincloss Boyer) نیویارک میں دسویں منزل سے گر کر ہلاک ہو گئی۔ وہ نیلسن راک فیلر کی سیکرٹری رہی تھی۔

حکومت کو بار بار آڈٹ کے لیے کہا گیا ہے مگر حکومت ڈرتی ہے، لیکن کس سے؟ صدر ریگن 1981ء میں صدر بنا۔ اس نے حکومت کے اخراجات کنٹرول کرنے کے لیے گولڈ سٹینڈرڈ اپنانے کا ارادہ کیا اور گولڈ کمیشن بٹھایا۔ 1982ء میں کمیشن نے رپورٹ دی کہ خزانے کی ملکیت میں کوئی سونا نہیں ہے۔ سب سونا فیڈرل ریزرو کی ملکیت ہے جو پرائیویٹ بینکروں کا ایک گروہ ہے اور سونا جو فیڈرل ریزرو بینک میں ہے وہ بھی بینک کا اپنا ہے یا اس کے بیرونی مالکوں کا ہے۔

سچ یہ ہے کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اتنا روپیہ عوام کی جیبوں میں سے

نکال کر چند پرائیویٹ منی چینجرز کے حوالے کر دیا گیا ہو۔

ورلڈ سینٹرل بینک

آئی ایم ایف کا ہیڈکوارٹر واشنگٹن میں ہے اور سڑک کے دوسری طرف ورلڈ بینک ہے' وہ کیا کر رہے ہیں؟

پہلی عالمی جنگ کے بعد امن عالم کے لیے انٹرنیشنل بینکرز نے عالمی حکومت کا نظریہ پیش کیا تھا اور اس کے لیے تین چیزوں کو ضروری قرار دیا گیا تھا۔ ورلڈ بینک' ورلڈ کورٹ اور ایک عالمی انتظامیہ اور مقنّنہ یعنی لیگ آف نیشنز۔ 1930ء میں ہیگ (نیدرلینڈ) میں ورلڈ کورٹ بھی بنا دی گئی لیکن انہیں تسلیم نہ کرایا جا سکا۔ چنانچہ بینکرز نے دوسری عالمی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

دوران جنگ پریشانیوں کی وجہ سے 1944ء میں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کو تسلیم کر لیا گیا۔ 1945ء میں لیگ آف نیشنز نئے نام یونائیٹڈ نیشنز (U.N) کے نام سے وجود میں آ گئی۔

لندن کے بینک آف انگلینڈ کی طرح آئی ایم ایف کے لیے تسلیم کیا گیا کہ اسے عدالتی کارروائیوں میں نہیں ڈالا جائے گا' اس کی جائیداد کی تلاشی یا ضبطی وغیرہ نہیں کی جائے گی' اس کے سٹاف کے خلاف مقدمہ بازی نہیں ہوگی' ان پر ٹیکس نہیں لگایا جائے گا (ورلڈ بینک کے لیے بھی ایسا ہی معاہدہ کیا گیا)۔ پھر آئی ایم ایف کو اپنے نوٹ ایس ڈی آر (S.D.R) دنیا بھر میں چلانے کی اجازت بھی دے دی گئی۔ اب تک وہ 30 بلین ڈالر کے ایس ڈی آر جاری کر چکی ہے اور سب قوموں کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ انہیں اپنی کرنسی سے تبدیل کر لیں۔ 1968ء میں کانگریس نے ڈالر کو ایس ڈی آر سے بدلنے کی اجازت دی تھی۔ اس کا □ یہ ہے کہ امریکہ میں ایس ڈی آر قانونی سکہ ہے۔ جب دوسری قوموں نے بھی اسے تسلیم کر لیا تو وہ کل عالم کرنسی بن جائے گا۔

یہ سناروں کا پرانا دھوکا ہے جو وہ سینٹرل بینک کے ذریعے پہلے کسی ایک ملک میں کرتے تھے' اب ورلڈ بینک کے ذریعے تمام دنیا میں کریں گے۔ اس کا □ یہ ہے کہ دنیا کا اقتصادی کنٹرول ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے چند بینکروں کے ہاتھ میں آ جائے گا۔ اگر اس گروپ میں ایک آدمی غالب ہوا تو صرف وہ ایک آدمی دنیا کی معاشیات کو کنٹرول کرے گا اور یہ نہایت خطرناک صورتِ حال ہوگی۔ ورلڈ بینک کے زیر تسلط ممالک میں اقتدار کا انتقال بڑے انقلابی انداز میں ہوتا ہے۔ بد دیانت حکومتوں کو جعلی قرضہ دیا جاتا ہے اور جب عوام اس کے بوجھ تلے دب کر بے بس ہو جاتے ہیں تو آئی ایم ایف ان کی آزادی اور دولت دونوں کو ہڑپ کر لیتا ہے۔ جب یہ کام ساری دنیا میں مکمل ہو جائے گا تو ورلڈ بینک یہ فیصلہ کرے گا کہ کس ملک کو ابھی زندہ رکھنا ہے اور کس ملک کے بچوں کو بھوکا مرنے دینا ہے۔

ترقی کے لیے اور غریبی کو دور کرنے کے لیے قرضوں کے متعلق خواہ کچھ دعوے بھی کیے جائیں ان سے مقروض قوموں کی دولت منی چینجرز کے سینٹرل بینکوں کو منتقل ہو جاتی ہے۔ مثلاً 1992ء میں تیسری دنیا کی مقروض قوموں نے ورلڈ بینک اور ترقی یافتہ ملکوں کے بینکوں کو 198 بلین ڈالر اس سے زیادہ دیے جو انہوں نے لیے تھے۔ مزید قرضے دے کر ان کے قرضوں کو مسلسل بڑھایا جا رہا ہے۔ ٹالسٹائی نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا تھا:

> ''میں ایک شخص کی پیٹھ پر بیٹھا اس کا گلا دبا رہا ہوں اور ساتھ ہی کہتا ہوں کہ مجھے افسوس ہے' میں تو اس کی حالت بہتر بنانا چاہتا ہوں سوائے اس کے میں اس کی پیٹھ سے اتروں گا نہیں''۔

1982ء سے مقروض ممالک ہر ماہ 6.5 بلین ڈالر سود دیتے ہیں۔ اگر اصل زر بھی شامل کر لیا جائے تو ہر ماہ 12.5 بلین ڈالر ادا کرتے ہیں جو اس رقم سے زیادہ ہے' جو تیسری دنیا صحت اور تعلیم پر خرچ کرتی ہے۔ 1980ء میں لاطینی امریکہ نے 80 بلین ڈالر اصل زر پر 418 بلین ڈالر سود ادا کیا۔ 1992ء میں افریقہ کا بیرونی قرضہ 290 بلین ڈالر ہو گیا جس سے بچوں کی اموات' بے روزگاری' سکولوں' مکانوں اور صحت عامہ کی بربادی عام ہو گئی۔ ایک افریقی ریاست کے سربراہ نے کہا:

’’کیا ہم یہ قرضہ بچوں کی اموات سے ادا کریں‘‘۔

منی چینجرز کا جواب تھا: ’’ہاں‘‘۔

1997ء میں دنیا کے 441 کھرب پتیوں کے پاس اتنی دولت تھی جتنی دنیا کے نصف‘ 24 بلین غریبوں کے پاس تھی۔

برازیل کے ایک سیاستدان نے کیا خوب کہا ہے:

’’تیسری عالمی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ یہ خاموش جنگ ہے لیکن کم منحوس نہیں ہے۔ یہ جنگ برازیل‘ لاطینی امریکہ اور ساری تیسری دنیا کو چیر پھاڑ رہی ہے۔ اس میں سپاہیوں کے بجائے بچے مرتے ہیں۔ یہ تیسری دنیا کے قرضے کی جنگ ہے‘ جس کا ہتھیار سود ہے جو ایٹم بم سے زیادہ تباہ کن ہے‘‘۔

اگرچہ سینٹرل بینکنگ اور جزوی ریزرو بینکنگ میں راتھ شیلڈ‘ واربرگ‘ شف‘ مارگن اور راک فیلر کا پارٹ کم اہم نہیں ہے‘ مگر اب ان بینکوں کو تین صدیاں گزر چکی ہیں اس لیے وہ مستحکم ہو چکے ہیں۔ اب وہ مکار افراد کے سہارے کے محتاج نہیں۔ ملکیت کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی۔ بینک آف انگلینڈ اور بینک آف فرانس کو جنگ عظیم دوم کے بعد قومیا لیا گیا مگر اس سے کچھ فرق نہیں پڑا۔ بینکرز نے نئے قوانین اس طرح بنوائے کہ ان کا کنٹرول باقی رہے۔ بینک گورنمنٹ کنٹرول سے آزاد ہیں اور قوانین تنخواہ دار سیاستدانوں اور گروی شدہ اخباروں کی حفاظت میں ہیں۔

وقت نے انہیں عزت اور وقار بھی بخش دیا ہے۔ انہیں بینکرز کی چھٹی نسل چلا رہی ہے۔ اسی طرح ورلڈ بینک اور دوسرے بینکوں میں کام کرنے والے دفتری لشکر کو کسی بات کا علم نہیں۔ اگر انہیں بتایا جائے کہ ان کا عمل انسانیت کو چند بے اصول سرمایہ داروں کا غلام بنا رہا ہے تو ان کے دل بھی دہل جائیں۔

آج چند آدمیوں پر توجہ دینا زیادہ مفید نہیں‘ بلکہ اس سسٹم کو بدلنا ہے جو چند آدمیو ں کو امیر بنا رہا ہے۔ مگر سسٹم بھی کسی خاص نقطۂ نظر پر منحصر ہوتا ہے‘ اس لیے بنیادی مادی نقطۂ نظر کو بدلنا ضروری ہے۔

دولت کی مساوی تقسیم کی □ قابل عمل نہیں‘ بلکہ اکثریت کو غریب تر کر دے گی۔ کسی نے کہا تھا کہ اگر کسی صبح سب لوگوں میں دولت برابر بانٹ دی جائے تو شام تک سست آدمی وہ سب کچھ ضائع کر چکا ہو گا اور محنتی آدمی کے پاس پہنچ چکا ہو گا۔

پھر بھی کسی سوسائٹی میں اتھارٹی‘ تمدن اور روایات کے مابین کوئی نہ کوئی ربط ہوتا ہے‘ جسے سو □ ’ خیالی پلاؤ پکانے والے اور باغی عناصر درہم برہم کرتے رہتے ہیں‘ جس کے نتیجہ میں کمیونسٹ دنیا میں ظلم‘ محتاجی اور غیر انسانی رویہ پیدا ہوا اور تیسری دنیا میں اجارہ دار اور سرمایہ دار‘ ان کے نتیجہ میں ایک طرف اشرافیہ پیدا ہوئی اور دوسری طرف دکھوں بھری غریب عوام۔

ہمیں ایک منصفانہ توازن قائم کرنا ہے۔ اس وقت ملمع کی ہوئی جمہوری حکومت کے پردے میں دولت کے بُرے اثرات حاوی ہیں جن پر منی چینجرز کے اخبار آسانی سے اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ لوگوں کی مرضی سے جمہوری رہنماؤں کا انتخاب خام خیالی ہے۔ آج کی جمہوریت محض سرمایہ داروں کا ڈرامہ ہے۔ لوگوں کی مرضی کو سرمایہ داروں کی مرضی پر ڈھال لیا جاتا ہے۔ لہٰذا اصلاح کے لیے سب سے پہلے افراد کا اخلاق سدھارا جائے اور لوگوں میں عاقبت اندیشی‘ انصاف اور صبر جیسے اوصاف پیدا کیے جائیں۔

اب اصل مسئلہ

ہم کیوں مقروض ہیں؟ اس لیے کہ ہم قرضہ سسٹم پر کام کر رہے ہیں جس میں روپے کے ساتھ اتنا ہی قرضہ پیدا کر دیا جاتا ہے جسے پرائیویٹ بینکر اپنے فائدے کے لیے کنٹرول کرتے ہیں۔ وہ روپیہ پیدا کرتے ہیں اور سود پر دیتے ہیں اور ہم قرضہ لیتے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ فیڈرل ریزرو سسٹم نیم سرکاری ادارہ ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے

کہ اس کے سات □ وں میں سے صدر صرف دو □ مقرر کرتا ہے اور صدر میں ہمت نہیں کہ وال سٹریٹ کے منظور کردہ □ کے سوا کسی کو مقرر کرے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ گورنمنٹ روپیہ پیدا کرنے کے لیے بانڈ بیچتی ہے۔ لوگ بانڈ خریدلیتے ہیں، فیڈ بھی خرید لیتا ہے مگر وہ ان کی بنیاد پر اپنے نوٹ جاری کر دیتا ہے، پھر ان نوٹوں کو کاغذوں میں دوسرے بینکوں کو ٹرانسفر کرتا ہے جو ان کی مالیت سے دس گنا رقم سود پر دیتے ہیں۔

ہم کیا کر سکتے ہیں؟ حکومت بانڈ بیچے جن کو یو۔ ایس نوٹوں سے خریدا جائے۔ ان پر کوئی سود نہ ہو نہ قرضہ ہو، اس سے افراطِ زر ہو جائے گا مگر اسے قابو کیا جا سکتا ہے۔ جزوی ریزرو بینکنگ کی اجازت نہ ہو اور بینک کے پاس جتنا روپیہ ہے اتنا ہی وہ قرض دے۔

فیڈ کی بلڈنگ یو۔ ایس نوٹ رکھنے کے لیے یا کلیرنگ کے لیے استعمال ہو۔ فیڈرل ریزروا یکٹ کی ضرورت نہیں، اسے منسوخ کر دیا جائے۔ روپیہ گورنمنٹ کے کنٹرول میں آجائے اور بینک اسے کم و بیش نہ کر سکیں۔

یہ کرنے کے بعد ہم اپنا قومی قرضہ ایک سال میں ہی ادا کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ ٹیکس کم ہونے شروع ہو جائیں گے، افراطِ زر نہیں ہوگا، اجرتوں اور بچتوں کی قیمت مستقل طور پر برقرار ہوگی، اور ملک میں اقتصادی استحکام ہوگا اور منی چینجرز کا حکومت پر اختیار ختم ہو جائے گا۔

اصلاحِ زر کے نکات

۱) اپنے سرکاری نوٹوں سے قومی قرضہ چکا دو۔ ضرورت کے مطابق نوٹ بنا لو۔

۲) جزوی ریزرو بینکنگ ختم کر دو۔ قرضہ چکانے کے لیے زیادہ نوٹ چھاپ لو۔ ان سے بینکوں کا اصلی ریزرو بڑھ جائے گا، یعنی وہ حکماً اپنا ریزرو بڑھائیں تاکہ قرضہ دے سکیں۔ اس طرح افراطِ زر بھی نہ ہوگا۔

۳) فیڈرل ریزروا یکٹ 1913ء اور نیشنل بینکنگ ایکٹ 1864ء منسوخ کر دو، تاکہ اختیارات حکومت کو لوٹ آئیں۔

۴) امریکہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے الگ ہو جائے۔ وہ عام بینکوں کی طرح کام کریں۔

عالمی حکومت کی بجائے قومی حکومتیں قائم رکھیں تاکہ عام ضروریات پوری کر سکیں اور اپنی تاریخی اور تمدنی حیثیت برقرار رکھ سکیں۔ جس طرح خاندانوں کو برقرار رکھنا ضروری ہے اسی طرح قوموں کو برقرار رکھنا بھی ضروری ہے۔

یو این او، ورلڈ بینک اور ورلڈ کورٹ کو یا تو ختم کر دیا جائے یا ان کی اس طرح اصلاح کی جائے کہ وہ قوموں کی آزادی ختم کیے بغیر مفید کام کر سکیں۔ کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ منی چینجرز کیا چاہتے ہیں؟ وال سٹریٹ کے سب سے بڑے بینک چیز مین ہٹن (Chase Manhattan) کے اس وقت کے چیئرمین راک فیلر نے کہا:

> ''ہم زمین پر مکمل تبدیلی کے کنارے پر ہیں۔ ایک بڑا بحران اس کی ضرورت ہے، پھر قومیں نیا ورلڈ آرڈر قبول کریں گی''۔

سوال صرف یہ ہے کہ وہ بحران کب ہوگا؟ کیا فوری دھاکے سے یا ٹیکس بڑھا کر، اور جاب ختم کر کے یا تدریجی کساد بازاری سے؟ حال ہی میں پوپ پائس نے کہا:

> ''ہمارے زمانے میں نہ صرف دولت اکٹھی ہوگئی ہے بلکہ بہت بڑی طاقت اور جابرانہ اقتصادی غلبہ چند ہاتھوں میں آ گیا ہے۔ اس طاقت کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ان کے پاس روپیہ ہے اور وہ اسے کنٹرول کرتے ہیں۔ قرضہ دینے اور اس کا انتخاب بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔ اس طرح اقتصادی جسم کو وہی خون سپلائی کرتے ہیں۔ گویا ان کے ہاتھ میں اقتصادیات کی روح ہے اس لیے کوئی ان کی مرضی کے خلاف سانس بھی نہیں لے سکتا''۔

مقروض اقوام کیا کر سکتی ہیں؟

اگر ایک مقروض قوم اپنی معیشت میں بنیادی اصلاحات لانے میں ناکام رہتی ہے تو اسے قرض چکانے کے لیے لامحالہ ان پانچ چیزوں میں سے کوئی ایک راستہ اپنانا

پڑے گا۔

۱) ایکسپورٹ بڑھا کر زیادہ زرمبادلہ حاصل کریں۔

۲) مزید قرضہ لے کر پچھلا قرضہ چکائے۔

۳) بیرونی قرضے چکانے سے انکار کر دیں۔ اس طرح اس پر تجارتی پابندی لگ سکتی ہے یا فوجی حملہ ہوسکتا ہے۔ (صومالیہ، عراق اور بوسنیا میں یہ ہوا)

۴) قرضوں کو ناجائز قرار دے کر معاف کرائے۔

۵) نوٹ چھاپ کر قرضہ چکائے، مگر اس سے افراطِ زر پیدا ہوگا۔

ورلڈ سینٹرل بینک

انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (IMF) کا صدر دفتر واشنگٹن ڈی سی میں واقع ہے اور سڑک کے پار ورلڈ بینک کا صدر دفتر ہے۔ یہ دونوں ادارے کیا ہیں اور کس کے تحت کام کرتے ہیں؟

یہ جاننے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے پہلی جنگ عظیم کے بعد کے حالات کی طرف آیئے۔ لوگ جنگ سے عاجز آ چکے تھے۔ دنیا کو پُرامن بنانے کے بہانے بین الاقوامی بینکاروں نے اپنی طاقت مزید مستحکم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ منی چینجرز نے اس دعوے کے ساتھ کہ صرف بین الاقوامی حکومت ہی عالمی جنگوں کا خاتمہ کر سکتی ہے، عالمی حکومت کے قیام کا ڈول ڈالا۔ اسے انہوں نے تین ٹانگوں پر کھڑا کیا۔ ایک عالمی مرکزی بینک جس کا نام BIS، یعنی بینک فار انٹرنیشنل سیٹل منٹس (Bank for International Settlements) تجویز کیا۔ دوسری ایک عالمی جوڈیشری، جو عالمی عدالت کے نام سے ہیگ، نیدر لینڈ میں قائم کی جانی تھی اور تیسری ''لیگ آف نیشنز'' کے نام سے ایک عالمی مقنّنہ اور انتظامیہ۔ لیکن بین الاقوامی بینکاروں اور پریس کے شدید دباؤ کے باوجود مٹھی بھر امریکی سینٹروں نے امریکہ کو ان سکیموں سے دور رکھا۔

اگرچہ لیگ آف نیشنز کا منصوبہ 1930ء میں منظور کر لیا گیا تھا، مگر امریکہ کی عدم شمولیت کے باعث وہ اپنی موت آپ مرگئی۔ امریکہ نے اگرچہ 1930ء ہی میں قائم ہونے والے عالمی مرکزی بینک (BIS) کی تجویز بھی ردّ کر دی تھی لیکن نیویارک فیڈرل ریزرو بینک امریکی حکومت کو نظرانداز کرتے ہوئے 1994ء تک سوئٹزرلینڈ میں مرکزی بینکرز کے اجلاسوں میں اپنے نمائندے بھیجتا رہا اور بالآخر امریکہ کی حکومت کو بھی گھیر گھار کر اس میں لے آئے۔ (مرکزی یا بین الاقوامی بینکاروں سے مراد وہ اصل طاقت نہیں جس کے ہاتھ میں عالمی معیشت کی باگ ڈور ہے، بلکہ ان سے مراد وہ کارندے ہیں جو اس نظام کو چلانے کے لیے تیار کیے گئے ہیں اور اسے بڑی کامیابی سے چلا رہے ہیں۔ اصل طاقت چند خاندانوں پر مشتمل ایک گروہ ہے جس کے آپس میں انتہائی قریبی روابط ہیں اور جو ہمیشہ پس پردہ رہ کر خفیہ طور پر کام کرتا ہے۔)

بینک آف انگلینڈ، دی فیڈ (فیڈرل ریزرو بینک)، دی بینک آف جاپان، دی سوئس نیشنل بینک اور جرمن بندیس بینک (Bundes Bank) اور دیگر مرکزی بینکوں کے سربراہ اپنی قومی حکومتوں سے بالا بالا سال میں دس مرتبہ باہمی رابطہ کے لیے ملاقات کرتے ہیں اور صنعتی ممالک میں جاری معاشی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر عالمی معیشت کے بارے میں آئندہ کے لیے حکمت عملی طے کرتے ہیں۔ بہرحال جب عالمی ساہوکاروں نے امریکی حکومت کی عدم دلچسپی کے باعث عالمی حکومت کا منصوبہ کھٹائی میں پڑتا ہوا دیکھا تو انہوں نے ایک اور عالمی جنگ کرانے کی ٹھانی اور اس □ کے لیے جرمنی اور روس پر کام شروع کر دیا، جس کے نتیجہ میں جنگ عظیم دوم کے خاتمہ سے پہلے پہلے عالمی حکومت کے لیے راہ ہموار ہو چکی تھی۔ چنانچہ 1944ء میں برٹن ووڈز، نیوہیمپشائر (Bretton Woods New Hampshire) میں امریکہ کی بھرپور شرکت سے انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (آئی۔ ایم۔ ایف) اور ورلڈ بینک کے قیام کی منظوری دی گئی، لیگ آف نیشنز کو یونائیٹڈ نیشنز کے نئے نام سے 1945ء میں منظوری حاصل ہوگئی۔ منصوبے کے عین مطابق جنگ نے وہ ساری مخالفت ختم کر دی تھی جو ان

بین الاقوامی اداروں کے قیام میں رکاوٹ تھی۔

لندن میں قائم ''دی سٹی'' (The City) کی طرح دی فنڈ (I.M.F) کے خلاف عدالتی کارروائی نہیں ہوسکتی......اس کا مال اور اثاثہ جہاں کہیں رکھا ہے' تلاشی' طلبی' ضبطی' بے دخلی یا کسی بھی طریقے سے حکومتی یا قانونی عمل کے ذریعے قبضہ میں لیے جانے سے محفوظ ہے......اس کے افسر اور اہل کار ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی سے مستثنیٰ ہیں.... اس پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں لگایا جا سکتا۔ [ورلڈ بینک اور بی ۔ آئی ۔ ایس (BIS) پر بھی ایسے معاہدوں کا اطلاق ہوتا ہے] گویا اس سے قبل جو اختیارات امریکہ میں مرکز سے منسلک پرائیویٹ بینکوں کو حاصل تھے وہی عالمی سطح پر اب آئی۔ ایم۔ ایف' ورلڈ بینک اور بی۔ آئی۔ ایس کو حاصل ہیں۔ یہ بینک قرضوں کی پالیسی وضع کرنے میں دوسرے تمام ممالک کے قومی بینکوں کو ہدایات دیتے ہیں۔ منی چینجرز کا یہ وطیرہ ہے کہ بددیانت حکومت کو قرض دے کر عوام سے بمع بھاری سود وصول کرتے ہیں' اس کے لیے مزید قرض دیتے ہیں یہاں تک کہ پوری قوم ان کے شکنجے میں جکڑی جاتی ہے۔ اب وہ دن دور نہیں جب کسی قوم کو زندہ رکھنے یا مارنے کا فیصلہ چند افراد' جن کے پاس ساری دنیا کی دولت ہے' کریں گے۔ اس کا آغاز افریقی ممالک سے ہو چکا ہے۔ چنانچہ جب یہ ممالک پوچھتے ہیں کہ کیا ہم قرض اتارنے کے لیے اپنے بچوں کو ماردیں تو جواب ملتا ہے: ہاں! ترقی اور خوشحالی لانے کے بہانے قرضے لینے کا یہ نتیجہ ہے کہ مقروض ممالک کے رہے سہے اثاثے بھی منی چینجرز کے بینکوں میں منتقل ہو چکے ہیں۔ ان کا اگلا ہدف چین ہے جو ابھی پوری طرح ان کے شکنجے میں نہیں آیا۔ یہ بہت خطرناک کھیل ہے جو عالمی سرمایہ دار چین کو امریکہ کے مقابلے میں کھڑا کرنے کے لیے کھیل رہے ہیں۔

برازیل کے ایک ممتاز سیاست دان کا کہنا ہے:

''تیسری عالمی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ یہ خاموش جنگ ہے لیکن انتہائی تباہ کن۔ برازیل' لاطینی امریکہ اور تیسری دنیا کے لیے موت کا پیغام لیے یہ جنگ سپاہیوں کے بجائے بچوں کو مار رہی ہے۔ اس کا ہتھیار سودی نظام ہے' ایٹم بم اور لیزر بم سے بھی خوفناک''۔

حرفِ آخر

سینٹرل بینکنگ اور جزوی ریزرو بینکنگ کی تاریخ پر جب بھی نگاہ ڈالیں گے تو آپ کو اس میں راتھ شیلڈ' واربرگ' شف اور راک فیلر جیسے خاندان بنیادی کردار ادا کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ مگر اس بات کو تین صدیاں بیت چکی ہیں' اس دوران قوموں کی معاشی زندگی میں یہ نظام مضبوطی سے اپنی جڑیں گاڑ چکا ہے' اب اسے کسی بیرونی سہارے کی ضرورت نہیں۔ مثال کے طور پر دوسری جنگ عظیم کے بعد بینک آف انگلینڈ اور بینک آف فرانس دونوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا تھا' مگر ان کی حیثیت جوں کی توں برقرار رہی۔ چنانچہ آج کسی فرد یا خاندان کو اس کے لیے موردِ الزام ٹھہرانا بے معنی ہے۔ اصل ضرورت اس ظالمانہ نظام کو جڑ سے اکھاڑنے کی ہے جو دولت کے چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے کا موجب ہے اور اس نقطۂ نگاہ کو بدلنے کی ضرورت ہے جو خالص مادہ پرستی پر مبنی ہے۔ اس کے لیے دولت کی مساوی تقسیم کا سو □ نظریہ قابل عمل نہیں۔ جیسا کہ کبھی ایک ماہر تاریخ دان نے کہا تھا کہ صبح دنیا کی ساری دولت ہر ایک کو برابر برابر بانٹ دیں' شام تک نکمّے پھر خالی ہاتھ ہو جائیں گے اور دولت واپس محنت کرنے والوں کے پاس پہنچ جائے گی۔ تاہم کسی بھی معاشرے کو صحت مندانہ طور پر قائم رکھنے کے لیے کچھ قواعد وضوابط درکار ہوتے ہیں' ان قواعد وضوابط کا عدل پر مبنی اور متوازن ہونا ضروری ہے۔ منی چینجرز نے دولت کے بل پر سارا توازن اپنے حق میں کر لیا ہے جس سے جمہوریت اور آزاد پریس کی باتیں بے معنی ہو چکی ہیں۔ اس صورت حال کو بدلنے کے لیے تدریجاً واپس عدل وانصاف اور نیکی کی طرف آنا ہوگا۔ اس کے لیے نچلی سطح سے کام کا آغاز ہونا چاہیے۔ گویا ایک متوازن اور صحت مند معاشرہ قائم کرنے کے لیے افراد کو بدلنا ہوگا۔ مثلاً ایک شخص اگر یہ پوچھے کہ میں اس بارے میں کیا

کردار ادا کر سکتا ہوں تو جواب ہوگا کہ اپنے آپ کو بدلیں' نیکی' کفایت شعاری' عدل' استقامت اور میانہ روی جیسے اوصاف اپنائیں۔

اصولاً بین الاقوامی بینکوں اور یو۔این جیسے بین الاقوامی اداروں کا تصور غلط نہیں ہے' بلکہ ان کے قیام سے انسانی بھلائی کے کاموں میں مدد لی جا سکتی ہے' بشرطیکہ یہ ادارے دنیا کی کمزور قوموں پر اپنی حاکمیت مسلط کر کے انہیں اپنا غلام نہ بنائیں۔ دنیا کی □ قوموں پر مشتمل ایک عالمی برادری کا قیام بلاشبہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ مگر جس طرح کسی معاشرے میں خاندان کی ایک اہمیت ہوتی ہے اسی طرح عالمی برادری میں شامل □ قوموں کو اپنی تہذیب اور تمدن کی رو سے اپنے لوگوں کے مسائل حل کرنے اور ان کی خدمت انجام دینے کی آزادی اور سہولت میسر رہنی چاہیے۔ اس کے برعکس بین الاقوامی بینکوں' یو این' عالمی عدالت اور ڈبلیو۔ٹی۔او جیسے اداروں کا موجودہ ڈھانچہ واضح طور پر پوری دنیا کو چند افراد کے ہاتھوں یرغمال بنانے کی خاطر استوار کیا گیا ہے۔ لہٰذا بہتر تو یہ ہے کہ ان اداروں کو سرے سے ختم کر دیا جائے' یا پھر ان میں بنیادی اصلاح کی جائے۔ جب تک ہم اپنے بینکنگ سسٹم کی اصلاح نہیں کرتے مٹھی بھر بینکار ہم پر مسلط رہیں گے۔ چنانچہ اس کا واحد حل یہ ہے کہ فیڈ اور جزوی ریز رو بینکنگ کو ختم کریں اور بی۔ آئی۔ ایس' آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے الگ ہو جائیں۔ البتہ یہ ذہن میں رہے کہ جونہی کوئی ملک بین الاقوامی ساہوکاروں کے چنگل سے نکلنے کی کوشش کرے گا ایک دفعہ اس کا سارا معاشی ڈھانچہ زمین بوس ہو جائے گا' وہاں سے سارا سرمایہ باہر چلا جائے گا' مگر یہ صورت حال چند ماہ سے زیادہ جاری نہیں رہے گی۔ اس کے برعکس اگر بیٹھے انتظار کرتے رہے تو ایک وقت آئے گا کہ آپ ہمیشہ کے لیے اپنی ملکی دولت سے ہاتھ دھولیں گے۔

ذاتی حکمت عملی

اس نظام کے ہوتے ہوئے اپنے آپ کو کیسے بچایا جائے؟

۱) سب سے پہلے قرض لینے سے بچیں اور اگر لے چکے ہیں تو جلد از جلد اس سے چھٹکارا حاصل کریں' ورنہ آپ کا کچھ بھی نہیں بچے گا۔ بہت سے لوگ مکان اور کار وغیرہ کے لیے قرض لیتے ہیں' حالانکہ ان کے بغیر بھی انسان زندہ رہ سکتا ہے۔ اگر آپ کے پاس نقد نہیں ہے تو کوئی شے بیچ کر اپنا قرض چکائیں۔

۲) آپ کی جو رقم بینک میں جمع ہے افراط زر سے اس میں مسلسل کمی واقع ہوتی رہے گی۔ اس کی بجائے برے وقت میں قیمتی دھاتیں مثلاً سونا اور چاندی اکثر کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔

۳) اپنے اخراجات کم کریں اور قناعت اختیار کریں۔

۴) اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ عالمی معاشی نظام سے باخبر رکھیں' تاکہ ایسا نہ ہو کہ آپ ایک پھندے سے نکلیں اور دوسرے میں پھنس جائیں۔ جب بھی معاشی بحران پیدا ہوگا بینکرز کے نمائندے ''متبادل'' تجاویز لے کر حاضر ہو جائیں گے۔

۵) گولڈ اسٹینڈرڈ کی طرف واپسی کوئی اچھا حل نہیں ہوگا' کیونکہ سارا سونا انہی کے پاس ہے جن کے بینک ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ سونا آئی ایم ایف کے پاس ہے۔ اسی طرح کسی علاقائی یا عالمی کرنسی کے منصوبہ سے بھی خبردار رہیے۔ بین الاقوامی بینکرز اس سے عالمی معیشت کو کنٹرول کرنے کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔

۶) بین الاقوامی بینکرز کے منصوبوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کرتے رہیں۔ اکثر سیاست دان ان منصوبوں کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ جو انہیں سمجھتے ہیں وہ بھی ان کے نتائج سے پوری طرح باخبر نہیں ہوتے' اس لیے معمولی مفادات کے لیے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

مالیاتی اصلاح۔ایک تعارف

موجودہ دَور میں جبکہ مالیاتی اصلاح کا دُور دُور تک کوئی امکان نظر نہیں آتا' اس کے تعارف سے کیا حاصل ہوگا؟ اکنامکس میں نوبل لارئیٹ' ملٹن فریڈ کا کہنا ہے کہ:

''انقلابی تبدیلیوں کی بات کرتے رہنا فائدہ سے خالی نہیں۔ اس لیے نہیں کہ اسے فوراً قبول کرلیا جائے گا' بلکہ ایک تو اس لیے کہ اس طرح ایک مثالی ہدف اُبھر کر سامنے آئے گا اور دوسرے اس لیے کہ اگر کبھی ایسی تبدیلی کے لیے حالات سازگار ہوئے تو اس کے لیے ذہن پہلے سے تیار ہوں گے''۔

قرضوں کا جو جال بچھایا گیا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری دولت معدودے چند ہاتھوں میں آجائے گی اور لوگ بھوکے مریں گے' اور جب بھوکے مرنے لگیں گے تو ایسے اٹھیں گے کہ ہر شے کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جائیں گے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ نوعِ انسانی کے خلاف ہونے والی اس سازش کا پردہ چاک کیا جائے' تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور وہ اس کے تدارک کے لیے کچھ کرنے پر آمادہ ہوں' پیشتر اس کے کہ وقت گزر جائے اور کسی کے ہاتھ کچھ بھی نہ آئے۔ دولت کے یہ پجاری اپنے اس انجام سے بے خبر نہیں ہیں' لیکن انہوں نے اس کے لیے ایک نادر نسخہ تجویز کیا ہے۔ مثلاً نیشنل سیکورٹی کونسل سٹڈی میمورنڈم ۲۰۰ جس کی وجہ سے برازیل' انڈیا' کولمبیا' میکسیکو' ایتھوپیا اور مصر جیسے ممالک کو ہدف بنا کر آبادی کم کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اس □ کے حصول کے لیے ایسے حالات پیدا کیے جاتے ہیں کہ ان ممالک کے مزدور اور خام مال کی کوئی قیمت ہی نہ رہے۔ اس کے بعد □ طریقوں سے وہاں کی قیمتی املاک ہتھیالی جاتی ہیں' تاکہ عوام کے لیے بھوک اور افلاس کے سوا کچھ باقی نہ رہ جائے اور خود ہی ایک دوسرے کو ختم کرنے لگیں۔ چنانچہ ''بہبود آبادی'' جیسے ناموں سے جو پروگرام ہو رہے ہیں ان کا □ اخلاق باختہ کر کے لوگوں کو حیوان بنانا ہے۔ نئے قرضوں کا اجراء' پرانے قرضوں کی ری شیڈولنگ' قیمتوں میں رعایت اور قرضوں کی جزوی معافی جیسے آلات اصل مقاصد کو در پردہ رکھنے کے لیے ہیں۔ موجودہ مالیاتی نظام اپنی جڑیں اتنی گہری کر چکا ہے کہ آپ کے تمام قرضے یک قلم ختم کر دیے جائیں تب بھی آپ عالمی ساہوکاروں کے چنگل سے نکل کر کہیں نہیں جاسکتے۔ بینک مصنوعی روپیہ بناتے ہیں اور اسے اُدھار پر دیتے ہیں۔ تمام ممالک مقروض کی حیثیت سے ایک دوسرے کے ساتھ تجارت کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر ملک کی یہ خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ وہ درآمد کے مقابلہ میں زیادہ برآمد کرے اور قرض اتارنے کے لیے زیادہ زرمبادلہ حاصل کرے' لیکن آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے عالمی مالیاتی اداروں نے قرضوں پر مبنی جو عالمی مالیاتی نظام ترتیب دیا ہے اس کا خاصہ یہ ہے کہ ترقی یافتہ امیر ممالک' جو خود بھی مقروض ہیں' کا پلڑا ہر حال میں بھاری رہتا ہے۔ اس طرح ''ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں'' کے مصداق چند ترقی یافتہ ممالک کو ساتھ ملا کر دیگر تمام ممالک کو کنٹرول کرنا آسان ہوگیا ہے۔ لیکن اس کا □ یہ نہیں کہ یہ دولت ان ترقی یافتہ ممالک کے پاس رہتی ہے' بلکہ اصل دولت گھوم پھر کر واپس بینکوں کے پاس لوٹ آتی ہے۔ اس طرح کمزور مقروض ممالک کی ساری بھاگ دوڑ دو وقت کی روٹی حاصل کرنے تک محدود رہتی ہے تو ترقی یافتہ ممالک کی جان بھی ہر وقت بینکوں کے اندر اٹکی ہوئی ہے۔ ان حالات میں ایسے ممالک کے پاس ان پانچ میں سے کوئی ایک راستہ اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہ گیا کہ:

۱) اس کے تمام شہری اپنے آپ کو بیرونی بینکوں کی غلامی میں دے دیں' لیکن یہ □ صرف اسی وقت تک برقرار رہے گا جب تک ان بینکوں کو کچھ نہ کچھ حاصل ہوتا رہے گا۔

۲) پچھلے قرضے اتارنے کے لیے مزید قرضے لیتے رہیں' لیکن ایک وقت آئے گا کہ یہ □ بھی رک جائے گا۔

۳) قرضے واپس کرنے سے انکار کر دیں۔ تجارتی پابندیاں لگ جائیں تو مال کے بدلے مال کے ذریعے تجارت سے کام چلالیں' لیکن یہ سودخور ہر طرف سے آپ کا ناطقہ بند کر دیں گے اور ہیٹی' صومالیہ' عراق اور سابق یوگوسلاویہ جیسا حشر کریں

گے۔ گویا اس کے لیے پہلے دفاعی لحاظ سے ناقابلِ تسخیر ہونا ضروری ہے۔

۴) قانونی چارہ جوئی ایک مناسب ذریعہ ہے' مگر ایسی عدالتیں اب تک دنیا میں وجود میں نہیں آئیں جہاں طاقتور کے مقابلہ میں کمزور کی شنوائی ہو سکے۔

۵) بین الاقوامی قرضے اتارنے کے لیے اتنی مقدار میں ملکی کرنسی میں روپیہ اکٹھا کر لیں جس سے یہ قرضے اتارے جاسکیں۔ موجودہ عالمی مالیاتی نظام کے تحت رہتے ہوئے ایسا نہیں ہوسکتا۔ افراطِ زر تمام حدیں پھلانگ کر ملکی معیشت کو تباہ کر کے رکھ دے گا' البتہ اس □ کے لیے کوئی بنیادی اصلاحات کر لے تو کامیابی کا امکان ہوسکتا ہے۔ ان اصلاحات کے لیے لازم ہے کہ تمام روپیہ (لیگل ٹینڈر) صرف ریاست جاری کرے اور جو روپیہ جاری کیا جائے اس کی مقدار اتنی ہو جس سے اشیاء کی □ ایک سطح پر برقرار رہیں' یعنی اشیاء اور روپیہ کی مقدار میں توازن قائم ہو اور سودی لین دین کی ممانعت ہو' نیز حکومت کسی قسم کا ادھار لینے دینے کا کام نہ کرے۔

عالمی سطح پر قرضوں کی جو جنگ برپا ہے اس کے اصل اسباب کا تعلق معیشت سے نہیں بلکہ فلسفہ' مذہب اور اخلاقیات سے ہے۔ کسی ایسے معاشرے سے معاشی انصاف کی توقع کرنا حماقت ہے جو ماں کے پیٹ میں بچوں کو قتل کرنا اس لیے جائز قرار دے کہ بچوں پر خرچ نہ کرنا پڑے۔ حکومت یا قانون لوگوں کو اچھا ماحول تو دے سکتے ہیں لیکن ان کے ذہن تبدیل نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کسی معاشرے کی اصلاح چاہتے ہیں تو آپ کو وہاں کے افراد سے اس کا آغاز کرنا ہوگا۔ ابھی آپ کو جو بھی تھوڑی بہت آزادی حاصل ہے اسے غنیمت سمجھیں اور مزید وقت ضائع کیے بغیر اس کام کو شروع کر لیں' ورنہ سمجھ لیں کہ آپ کو زیادہ مہلت نہیں ملے گی۔ بحرانوں کے اندر رہتے ہوئے اچھا معاشرہ وجود میں نہیں لایا جاسکتا' البتہ بحرانوں سے اچھے معاشرے کے قیام کے لیے بنیاد ضرور ڈالی جاسکتی ہے' کیونکہ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب بھٹی گرم ہوتی ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ جس قدر بھی ممکن ہو آپ کو حقائق سے آگاہ کر سکیں' اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ جاگ جاتے ہیں یا خوابِ خرگوش کے مزے لیتے رہتے ہیں۔

اور اب پاکستان

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اگر یہ سب امریکہ پر صادق آتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کا حال کیا ہوگا؟ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ پاکستان کے حالات سب سے زیادہ خراب ہیں۔ امریکہ تو بانڈ سسٹم ختم کر کے روپے پر سود ختم کر سکتا ہے۔ اس کا قرضہ ڈالروں میں ہے' وہ ڈالر چھاپ کر اسے چکا سکتا ہے۔ وہ طاقتور ملک ہے اسے بینکروں کے جارحانہ حملے کا ڈر بھی نہیں۔ مگر پاکستان نے قرضہ ڈالروں میں لیا ہے اس لیے وہ روپے چھاپ کر قرضہ نہیں چکا سکتا۔ اس کا قرضہ جو ڈالروں میں تھا وہ فارن ایکسچینج میں ہی رہا۔ اندرونِ ملک کی ضروریات نوٹ چھاپ کر پوری کی گئیں جس سے افراطِ زر اور مہنگائی ہوئی۔ مہنگائی سے تاجر اور صنعت کاروں کا منافع بڑھ گیا اور وہ روپے میں کھیل رہے ہیں۔ ملازمین جو حکومت کا ایک باعزت طبقہ ہوا کرتا تھا ان کی تنخواہیں مہنگائی کی نسبت سے نہیں بڑھائی گئیں۔ چونکہ حکومت ان کے ہاتھ میں ہے اس لیے ان کی گزر اوقات بدعنوانی پر ہے اور تمام نظامِ حکومت بگڑ گیا ہے اور ہر طرف ظلم کا دور دورہ ہے۔ قرضہ عیاشیوں یعنی کاروں میں سیر سپاٹے' بےضرورت دَوروں' بیرونی علاج' دوسرے ملکوں کے بینکوں میں پیسے رکھ کر اور ان ملکوں میں بلڈنگیں بنا کر یا خرید کر ضائع کر دیا گیا۔ اپنے ملک پر اگر حکمرانوں کو اعتماد نہیں تھا تو پھر عام آدمی سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ چنانچہ من حیث القوم ہم کرپشن کی دلدل میں پھنس چکے ہیں۔

موجودہ حالات میں اس کا حل یہ ہے کہ حکومت لوگوں کا بیرون ملک رکھا ہوا روپیہ واپس لائے اور آئی ایم ایف وغیرہ سے کہے کہ ہمارے پاس ڈالر نہیں ہیں' ہم قرضہ روپوں میں واپس کریں گے اور آئندہ قرضہ نہیں لیں گے۔ اندرون ملک سود اور جاگیرداری ختم کر کے معیشت میں سادگی اور دیانتداری کو فروغ دیا جائے —— اور سب سے اہم اور بنیادی بات یہ کہ یہاں اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم کیا جائے جس کے لیے پاکستان بنا تھا۔